Regd.# MC-1366

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد 12/ •شمارہ 6/ •جنوری/ 2023

بدگمانی سے توبہ

نادان بچہ اور ہم

سود سے مکدر فضا میں خوش گوار آواز

آئینہ ہے قلم

میرے صحن کا گلاب

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی
جنوری 2023

فہم وفکر

نادان بچہ اور ہم	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

صحیفہ نبوت کی حسین جھلک	محمد طیب	10
بدگمانی	بیگم ناجیہ شعیب احمد	11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	14
اسپغول	حکیم شمیم احمد	15
زندہ شہید	ندا اختر	16
ایسی ہے اللہ کی قدرت	بنت مسعود	16
میرے صحن کا گلاب	لائبہ عبد الستار	17

خواتینِ اسلام

بلاعنوان	عمارہ فہیم	19
مفلس کی قبا	ام نسیبہ	20
زمیں پر چاند اترا ہے	اریبہ ارشد	23
آئینہ ہے قلم	عظمی ظفر	24
خوشیوں کی بہار	تنزیلہ احمد	25
فیصلہ	مہوش اشرف	27
اللہ معنا	سیدہ حفظہ احمد	28

باغچہ اطفال

ہمارِ نبی ﷺ	ڈاکٹر الماس روحی	30
پریشانی کا وقت	تنزیلہ یوسف	30
جنگجو سپاہی	بنت تاجور	31
انڈے کہاں گئے	سائرہ شاہد	32
کہانیوں کا راز	فیصل علی	33
فیرولینڈ	احمد رضا انصاری	34
ہریرہ سنبھل گیا	حفصہ فیصل	35
چاولوں کی پلیٹ	دعا اسما	36
طویل العمر درخت	سمیر انور	37
بندر	فوزیہ خلیل	38

بزمِ ادب

حمد باری تعالی	خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ	42
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام		46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرونِ ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرونِ ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

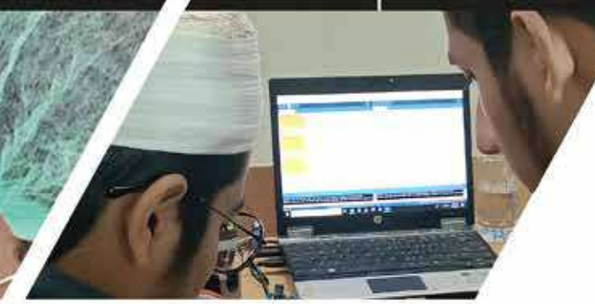

نادان بچہ اور ہم

مدیر کے قلم سے

سال ہجری ہو یا عیسوی، محاسبے کا تعلق اس سے نہیں ہے، محاسبہ تو ہر روز کرنے کی چیز ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ: اگر کسی کے دو دِن برابر رہیں تو بڑے خسارے کی چیز ہے۔ مسلمان اگر کسی اور سے مقابلہ نہ کرے تو اپنے پچھلے دِن سے مقابلہ تو کرے۔ نیا عیسوی سال شروع ہو رہا ہے۔ لوگ ہیپی نیو ائیر مناتے ہیں۔ نادان لوگ سال گرہ مناتے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں تو یہ ایک ”سال گرا“ ہے۔ کوئی ملک ہو اور اس کا مالی سال مکمل ہوا ہو، یا کوئی کمپنی ہو اور اس کا سالانہ آڈٹ ہو رہا ہو، یا کوئی فرد ہو اور وہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزار چکا ہو، یہ اپنے آپ کو تبھی بہتر کر سکتے ہیں، جب یہ اپنے آپ کو احتساب کی بھٹی سے گزارتے ہیں۔ اداروں کے محاسبے کے لیے تو ادارے بنے ہوتے ہیں، مگر فرد کا محاسبہ خود احتسابی سے ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد تو بس نتیجہ حوالے ہونا ہے۔ سمجھ دار آدمی وہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنی گزشتہ زندگی پر ایک نظر دوڑالے اور دیکھ لے کہ اس کے شب و روز اور مہ و سال کس ڈگر پر گزر رہے ہیں۔ زندگی کے سفر کی منزل، وہ مقصدِ زندگی ہی ہے، یا انسان اس سے بھٹک چکا ہے۔ پچھلے سال اسی وقت ہمارے پاس 365 دن زیادہ موجود تھے، اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے، مگر اب ہمارے پاس ایک سال کا وقت کم ہو چکا ہے۔ کیا ہم اپنے آپ سے یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کیا ہم نے اس ایک سال میں؟ کتنی عبادت رب کی کر سکے؟ کتنے حقوق رشتے داروں کے ادا کر سکے؟ اپنے مالی معاملات میں حلال و حرام کا کتنا لحاظ رکھ سکے؟

یہ بات ہم کتنی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ وہ بچہ ہے، لہٰذا نادان ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ہم کتنے سمجھ دار ہو گئے ہیں؟ بچہ تو کھلونا توڑتا ہے، وہ تو نادان ہوا، ہم دِل توڑ دیتے ہیں، حقوق پامال کر دیتے ہیں، پھر بھی ہم سمجھ دار ہوئے۔ بچے کا تو بچپنہ ہے، وہ کیا جانے، وقت کی قدر و قیمت، اسے باپ ڈانٹتا ہے، ماں پیار سے سمجھاتی ہے، اسے بتاتے ہیں کہ تم وقت کی قدر کرو گے تو ہمارا نہیں، تمہارا مستقبل بنے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم بڑے ہو گئے ہیں تو کیا ہمارا وقت گزر نارک گیا ہے یا وقت کی برف ویسے ہی پگھلے جا رہی ہے۔ اپنے کاروبار کی بہتری کے لیے ہمیں اتنا تو پتا ہے کہ ”پیسے پیسے“ کا حساب رکھنا ہے، مگر کیا کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ زندگی کی بہتری کے لیے ”منٹ منٹ بلکہ سیکنڈ سیکنڈ“ کی خود احتسابی کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کر رہے تو دِل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ نادان بچے اور ہم میں کیا فرق ہے؟

ہیپی نیو ائیر پر ایک تو پہلی رات کی آفت ہے کہ طوفانِ بدتمیزی ہے، غفلت کی انتہا ہے، بالکل غافل اقوام کی طرح نئے سال کی ابتدا ہے، مگر اس کے ساتھ دوسرا افسوس ناک رویہ ہماری قوم کا یہ ہے کہ نئے سال میں زندگی پھر اسی ڈگر پر چلتی رہتی ہے، جیسے پہلے تھی، کوئی رَتی بھر فرق نہیں آتا۔ ”کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟“

قارئینِ گرامی! ہماری عمر بھی بڑھ گئی ہے اور عقل بھی، مگر صرف اتنی کہ ہمیں اب بچوں کے کھلونے اچھے نہیں لگتے، مگر کیا ہم دھوکے کے گھر اور مچھر کے پَر والی دُنیا کے تماشوں سے بھی آگے بڑھ سکے ہیں؟ شاید کہ نہیں۔ آنکھوں پر ایسی پٹی بندھی کہ اللہ تعالیٰ کو فرمانا پڑا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کہ ننانوے کے چکر نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، نہ دِن کا خیال، نہ رات کی فکر، صحت کا خیال نہ جوانی کا لحاظ، سب کچھ لُٹا دیا اسی دُنیا میں، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ حتیٰ کہ ریٹائر اور ناکارہ ہو کر قبر میں جا پہنچے، مگر پھر خسارے اور گھاٹے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

قارئینِ گرامی! مگر پھر اللہ تعالیٰ نے آئندہ سال اور آئندہ کی زندگی کو کارآمد بنانے کے لیے چند اہم اعمال بھی بتلائے۔ وقت کی قسم کھا کر فرمایا: کامیاب آدمی وہ ہے، جو اپنا وقت چار کاموں میں لگائے؛ 1۔ ایمان پر محنت کرنے میں 2۔ نیک اعمال کرنے میں 3۔ حق بات کی ایک دوسرے کو نصیحت کرنے میں 4۔ ایمان اور نیک اعمال کی راہ میں جیسے بھی مصائب آئیں، صبر کر کے اُن پر ڈٹے رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرنے میں۔ کیا ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم اب سے پختہ ارادہ کریں اپنی زندگی کو بدلنے کا، اپنے اوقات کو قیمتی بنانے کا اور اپنے رب کو راضی کرنے کا۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر نہ صرف یہ کہ ہر سال مبارک ہو گا، بلکہ دُنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنور جائے گی۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ 12

ترجمہ: اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں مقرر کیے تھے اور اللہ نے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دوں گا اور اُن باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، پھر بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو در حقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ 12

تشریح نمبر 1: بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، چناں چہ جب ان سے یہ عہد لیا گیا تو ہر قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے کا نگران بنایا گیا، تاکہ وہ عہد کی پابندی کی نگرانی کرے۔

تشریح نمبر 2: اچھے قرض یا قرضِ حسن کا مطلب تو وہ قرض ہے جو کوئی شخص کسی کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے دے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے اور کسی اور نیک کام میں پیسے خرچ کیے جائیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ 13

ترجمہ: پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی، جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کیا اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتا چلتا رہتا ہے، لہٰذا (فی الحال) انھیں معاف کر دو اور در گزر سے کام لو۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ 13

تشریح نمبر 3: یعنی اس قسم کی شرارتیں تو ان کی پرانی عادت ہے، لیکن آپ کو فی الحال سارے بنی اسرائیل کو کوئی اجتماعی سزا دینے کا حکم نہیں ہے، جب وقت آئے گا اللہ خود سزا دے گا۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ 14

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے، چناں چہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا اور اللہ انھیں عنقریب بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ 14

تشریح نمبر 4: عیسائی مذہب کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے اور ان کے مذہبی اختلافات نے دشمنی اور خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ 15

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آ گئے ہیں، جو کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی بہت سی ان باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو اور بہت سی باتوں سے در گزر کر جاتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے۔ 15

تشریح نمبر 5: مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یوں تو اپنی آسمانی کتابوں کی بہت سی باتوں کو چھپا رکھا تھا، لیکن آن حضرت ﷺ نے صرف ان باتوں کو ظاہر فرمایا جن کی وضاحت دِینی اعتبار سے ضروری تھی۔ بہت سی باتیں ایسی بھی تھیں جو انھوں نے چھپائی ہوئی تھیں، مگر ان کے پوشیدہ رہنے سے کوئی عملی یا اعتقادی نقصان نہیں تھا اور اگر ان کو ظاہر کیا جاتا تو یہود و نصاریٰ کی رسوائی کے سوا خاص فائدہ نہیں تھا۔ آن حضرت ﷺ نے ایسی باتوں سے در گزر فرمایا ہے اور ان کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

قرآن فہمِ

المائدۃ 12-15

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا حاجت مند اس کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دے دے اور خود تکلیف اٹھا لے، اسی کا نام ایثار ہے اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُخْرٰی فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ یُّضَیِّفُهٗ یَرْحَمُهُ اللهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ یُقَالُ لَهٗ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰی رَحْلِهٖ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَیْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْیَانِیْ قَالَ فَعَلِّلِیْهِمْ بِشَیْءٍ وَ نَوِّمِیْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَیْفُنَا فَاَرِیْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰی بِیَدِهٖ فَقُوْمِیْ اِلَی السِّرَاجِ كَیْ تُصْلِحِیْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّیْفُ وَ بَاتَا طَاوِیَیْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَقَدْ عَجِبَ اللهُ اَوْ ضَحِكَ اللهُ مِنْ فُلَانٍ وَ فُلَانَةٍ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں بڑا دکھی فقیر ہوں (مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے) آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو تو ایک ایسے حاجت مند کے لیے بھیج دو) وہاں سے جواب ملا کہ قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر (یکے بعد دیگرے اپنے اپنے سب گھر والوں میں کہلا کے بھیجا اور) ان سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے، اپنے سب گھر والوں سے یہی جواب ملنے کے بعد) آپ ﷺ نے صحابہؓ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے کون اس بندے کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو گی! انصار میں سے ایک طلحہ نامی شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں، چناں چہ وہ اس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا: (اس وقت ایک مہمان کے لیے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اور تمہارے کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا تو پھر ایسا کرو کہ ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سُلا دو اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے تو (اپنے طرزِ عمل سے) اس پر یہ ظاہر کرنا اور ایسا دِکھانا کہ (اس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اس کو گُل کر دینا (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چناں چہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب، لیکن کھانا مہمان ہی نے کھایا اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کو اور ان کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوئے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور آپ ﷺ کے عملی نمونہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایثار کی یہ صفت جس درجے میں پیدا کر دی تھی، یہ واقعہ اس کا نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے: وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

آئینۂ زندگی

سود سے مکدر فضا میں خوشگوار آواز

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

دیگر معاملات کی طرح اسلام نے معاش اور معیشت کے بھی اصول عطا فرمائے ہیں اور اسلام کے معاشی نظام کے اصول ہماری عقل اور ہمارے تجربوں کی بنیادوں پر نہیں، اس کے پیچھے اللہ کا علم اللہ کی حکمت، اللہ کی رحمت اللہ کی شفقت اور اللہ کی قدرت ہے۔ ایسے معاشی اصول ہیں کہ دنیا بھر کے زعما، فلاسفر اکٹھے ہو جائیں، اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔

معیشت دو چیزوں کا نام ہے، پیسا حاصل کرنا اور پیسہ خرچ کرنا۔ اسلام نے پیسا حاصل کرنے کا یہ اصول دیا کہ پیسا صرف حلال طریقے سے حاصل ہو اور خرچ کا اصول یہ بتایا کہ صرف ضروریات میں خرچ ہو، یعنی کمانا کیسے ہے اور خرچ کہاں، کیسے کرنا ہے؟

آج معاشی دنیا میں تباہی آئی ہوئی ہے، اسلام کے مبارک ضابطوں سے آج دنیا خالی ہوتی چلی جا رہی ہے، معاشی نظام کی بنیاد یہ بن گئی ہے کہ نفع کس میں ہے؟ بس نفع چاہیے، حلال سے آئے یا حرام سے آئے، جائز طریقہ ہو یا ناجائز طریقہ اور خرچ کیسے کرنا ہے؟ اس کی بنیاد بھی مغربی تہذیب کی بنیاد پر ہے، نمائش پر اسراف پر تبذیر پر۔۔۔ تو پورا کیسے ہوگا؟ آج ساری دنیا کا رونا یہ ہے کہ اخراجات زیادہ ہیں، آمدنی کم ہے، حالاں کہ دیکھا جائے تو وسائل زیادہ ہیں، لیکن خرچ کرنے کے اسلام کے اصول نظر انداز کر دیے۔ پاؤں چادر سے زیادہ پھیلا دیے، کفایت شعاری کو چھوڑیے، حرام اور ناجائز جگہوں پر دولت خرچ ہوتی ہے، کہاں پوری ہو گی۔۔۔ خزانوں سے بھرے ممالک غلط معاشی نظام جن بنیادوں پر کھڑا، جو تہذیب غلط بنیاوں پر کھڑی ہے، اب وہ بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ اصول غلط ہیں تو اسلام نے معاشی نظام ان دو اصولوں پر رکھا ہے۔ کماؤ حلال طریقے پر اور حرام میں خرچ نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو اللہ تمہاری معیشت میں برکت عطا فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو لوگ سودی لین دین کیا کرتے تھے، ہوتا یہ تھا کہ ضرورت مند کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کو اور قرضوں میں جکڑ دیا جاتا تھا، اسلام نے یہ نظام اور مزاج دیا کہ ضرورت مند کی مدد کرو، اس کے ساتھ خیر خواہی کرو، اس کے ساتھ ہم دردی کا مظاہرہ کرو، اس کے مددگار بن جاؤ اور یہ صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔

جس طرح ”ام الخبائث“ شراب کی حرمت بتدریج آئی، پھر ایک وقت وہ آیا کہ شراب کو حرام قرار دیا گیا، سودی لین دین کے لیے بھی یہی حکمتِ عملی اسلام نے اختیار کی۔ پہلے فضا بنائی لوگوں کی ذہن سازی کی کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا نفع، اس کے فوائد اس کے ثمرات، اس کی برکتیں اور جب فضا بنی تو پھر سودی لین دین کی حرمت کا اعلان ہوا اور اس طرح اعلان ہوا اور بتایا کہ یہ اتنا غلیظ اور اتنا شدید گناہ ہے کہ اگر کوئی اس کی حرمت کے بعد بھی باز نہ آیا تو پھر وہ سن لے کہ اللہ کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ زنا بڑا گناہ ہے، شراب بڑا گناہ ہے، ناحق کسی کو قتل کرنا بھی بڑا گناہ ہے، سنگین گناہ ہے، لیکن ان گناہوں پر بھی ایسی وعید نہیں آئی جو قرآن نے سود خوری پر وعید بتائی ہے، وہ سودی لین دین پر بتایا ہے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ

اب اس کی حرمت کا حکم آگیا، لیکن پھر بھی کوئی باز نہ آئے، پھر وہ سن لے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اور حکم یوں آیا، غیرت یوں دلائی:

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔

وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ

سود کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، اس لیے کہ تمہیں اللہ کی ذات پر ایمان ہے اور اس کی عظمت ہے اور اس ذات کا کوئی احترام ہے، اس کی شان کی تمہارے دلوں میں کوئی جگہ ہے تو پھر سمجھو یہ حرمت اس کی طرف سے ہے اور پھر بھی اگر باز نہ آئے تو اعلانِ جنگ ہے۔

جب جنگ ہوتی ہے تو سب سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، اس کائنات میں اللہ کے یہاں سب سے قیمتی چیز ایمان ہے اور جو شخص اللہ سے جنگ مول لے گا، پھر کیا ہوگا؟ پھر یہی خطرہ ہے کہ اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے، وہ دنیا سے جائے اور ایمان کی دولت کے بغیر جائے، پھر یہی خطرہ ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: یہ سودی لین دین لینے والا دینے والا لکھنے والا دستاویزات تیار کرنے والا اس معاملے پر گواہ بننے والا یہ سب ہی لعنت کے مستحق ہیں۔ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں صرف لینے والا نہیں اور صرف دینے والا نہیں، ان دستاویزات کو تیار کرنے والا بھی اس معاملے پر گواہ بننے والا بھی اس کو لکھنے والا بھی سب اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔ کون ایمان والا ہے جو اللہ سے جنگ مول لے، دنیا کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں سے کوئی آدمی جنگ مول لے کر سکون سے وہاں نہیں رہ سکتا اور کوئی آدمی اللہ سے اعلانِ جنگ مول لے لے اور اس دنیا میں سکون سے رہے، ہم نے تو نہیں دیکھا۔ کس کا دل گردہ ہے اور اس غلط فہمی کا شکار بھی نہ رہے کہ میرا تو کاروبار پھر بھی چل رہا ہے، میری فیکٹریاں پھر بھی چل رہی ہیں، میرا لین دین تو پھر بھی چل رہا ہے، میرا گھر تو پھر بھی موجود ہے، یہ دھوکا ہے، میں نے عرض کیا اندازہ نہیں ہے، ایمان جیسی دولت قرآن کہتا ہے کل جب ایمان کی قیمت سامنے آئے گی اور ایمان ہی اس عذاب اور اس ناکامی سے بچا سکتا ہے تو یہ شخص جس کے پاس ایمان نہیں ہوگا، آرزو کرے گا کہ دنیا بھر کی زمین کا ایک ایک چپہ پہاڑوں سے بھر جائے اور سارے پہاڑ سونے کے بن جائیں، صرف موجودہ پہاڑ نہیں اور صرف خشکی کے پہاڑ نہیں، خشکی اور تری یہ ساری زمین سونے کے پہاڑوں سے بھر جائے اور وہ سونے کے وہ پہاڑ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگ جائیں۔

مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا

یہ ساری دنیا سونے کے پہاڑوں سے بھر جائے اور چاہے گا کہ یہ سب بھی دے دوں اور اس ناکامی سے بچ جاؤں تو وہاں اعلان ہوگا، یہاں ناکامی سے بچنے کی ایک ہی دولت کام آتی ہے، وہ ایمان ہے، یہاں اس عذاب اور ناکامی سے بچنے کی جو دولت چلتی ہے جو اس منڈی کی قیمت ہے، وہ صرف ایمان ہے، تب اندازہ ہوگا کہ ایمان کیا دولت ہے تو اللہ سے اعلانِ جنگ اور بندے اور مولیٰ کی جنگ ہو تو ہار تو بندے ہی کی ہوگی، پھر اس کی سزا دیکھیے کہ ایمان جیسی دولت ہی چلی جائے، کیا رہے گا؟ تو اسلام کا جو معاشی نظام ہے، وہ تو اس پر کھڑا ہے کہ حلال کماؤ اور اللہ کی رزاقیت پر یقین رکھو ناں! اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ رزاق تو وہ ہے اور پھر قرآن نے ترغیب دی ہے: يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا

سود سے مال گھٹتا ہے، برکت چلی جاتی ہے، نحوست آجاتی ہے اور اس نحوست سے دین چلا جاتا ہے، ایمان چلا جاتا ہے، شرم و حیا چلی جاتی ہے، غیرت چلی جاتی ہے، سکون چلا جاتا ہے۔

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا

یہ سود کی سودی لین دین کی نحوست ہے، اس لیے کہ جو معاشرہ سودی لین دین پر آجائے، وہاں شرم و حیا ختم ہو جاتی ہے، وہاں مادر پدر آزاد معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ حرام کی یہ نحوست ہے کہ جب انسان حرام سے پرورش پاتا ہے تو پھر وہاں غیرت نہیں رہتی، وہاں شرم و حیا نہیں رہتی، وہاں حیا کا وجود نہیں رہتا، وہ معاشرہ تو مادر پدر آزاد ہونے لگتا ہے۔

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا اس سے تو نحوستیں آئیں گی ہاں!!

وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ صدقات ہوں، اس سے مال بڑھتا ہے، لیکن ہمارے یہاں ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے، پیشاب کی چھینٹوں سے بچتے ہیں، غیبت سے نہیں بچتے۔ صدقہ خیرات کرتے ہیں، سودی لین دین سے باز نہیں آتے۔ عمرہ اور وظائف کا اہتمام ہوتا ہے، فرائض کا اہتمام نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ایک اور بیماری ہے، دامن گندگی سے بچ جائے اچھی بات ہے، لیکن روح بھی گندی ہونے سے بچ جائے، اس کی فکر نہیں ہوتی۔ رفاہی کام ہوتے ہیں، کرتے ہیں، ایوارڈ بھی لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی دین داری ہے، ارے میاں! حرام سے بچنا سودی لین دین سے بچنا، یہ بہت ضروری ہے۔ دین داری عادت کی دینداری ہے کہ جو عادت میں ہے، وہ تو کر رہا ہے جو اللہ کا حکم ہے، اس کا لحاظ نہیں ہے، جو چیز عادت میں ہے، وہ تو کر رہا ہے، جیسے ہر سال ہی عمرہ کر رہا ہے، لیکن سودی لین دین بھی نہیں چھوڑ رہا تو بڑی جرأت ہے بھئی! بڑا حوصلہ ہے۔ اللہ سے مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا بڑا حوصلہ ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ قومی سطح پر اس حرام کی فضا ہے۔ ضابطے قوانین سود خوروں کی حوصلہ افزائی سودی لین دین کے لیے آسانیاں اوپر سے بھی حوصلہ افزائی، لیکن کچھ خوش گوار آواز قومی سطح پر آرہی ہے، زعما اور قومی سطح پر کچھ اس کی فکر اس کی کچھ خوشگوار آواز سنائی دے رہی ہے، لیکن پوری قوم جب اس گناہ اور اس گندگی سے نفرت نہیں کرے گی، اس وقت تک یہ معاملہ آسان نہیں ہے، جمہوری ملک میں اور جمہوری دنیا میں قوم کو اپنی طاقت کے ساتھ اس گندگی سے اور اس نحوست سے ایک مضبوط آواز لگانی ہوگی اور خود اس گناہ سے نفرت کرنی ہوگی، ظاہر ہے سرمایہ دار اور معاشرہ اور سوسائٹی کے لوگ ان سودی اداروں سے اگر بے زاری کا اعلان کر دیں تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ بڑی منحوس چیز ہے اور بڑا غلیظ اور شدید گناہ ہے، اللہ نہ کرے ہمارے گھروں میں سود کی رقم آئے، حرام کا لقمہ آئے، ایمان نہیں رہتا، دین نہیں رہتا، اس لیے کہ دینی زندگی کی قبولیت کی پہلی بنیاد حلال کھانا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا

ایمان والو! تمام رسولوں کو یہ پیغام ہے، حلال کھاؤ اور نیکی کرو۔

اس لیے کہ بغیر حلال کھائے نیکی کوئی قبول نہیں، ہاں! ندامت ہو گئی، شرمندگی ہو گئی، احساس ہو گیا، فکر پیدا ہو گئی، کوشش شروع کر دی، اللہ سے مانگنا بھی شروع کر دیا کہ اللہ اس نحوست سے اس گندگی سے مجھے بچا، میری اولادوں کو بچا، میری نسلوں کو بچا، کوشش شروع کر دی، دعائیں شروع کر دیں تو میرے عزیزو! پھر اللہ کی مدد اور نصرت دور نہیں ہے اور یہ اولاد پر بھی بڑا احسان ہے کہ ان کے لیے باپ حلال چھوڑ کر گیا ہے، حرام کی گندگی چھوڑ کر نہیں گیا۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، بعض خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دنیا سے چلے جاتے ہیں، لیکن ان کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بعض بدقسمت ایسے ہوتے ہیں کہ مر جاتے ہیں، لیکن ان کا گناہ نہیں مرتا، وہ زندہ رہتا ہے۔ خود مر گئے، لیکن گناہوں کی ایسی رسمیں چھوڑ گئے کہ ان کے گناہ چل رہے ہیں۔ اللہ احساس دے دے، فکر دے دے، ندامت دے دے، غلطی ہو گئی مولیٰ! غلطی ہو گئی، شرمندگی ہے، اندر سے دکھی ہے، اللہ سے دعا بھی کرے کوشش کرے پھر اللہ کی مدد اور نصرت دور نہیں اور جس خوش نصیب کو توبہ کی توفیق ہو گئی اور اس گندگی سے دور ہو گیا، سبحان اللہ! رسول اللہ ﷺ نے ایک دعا سکھائی ہے کہ اللہ صرف معاف نہیں فرماتا کہ معاف کر دیا ہے، نا نا! اللہ رب العزت تو رحم بھی کرتا ہے اور وہ سارا ریکارڈ بھی جلا دیتا ہے کہ کل میرے اس گناہ گار بندے کو اپنے گناہ دیکھ کر کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے، صرف معاف نہیں کرتے، رحم بھی کرتے ہیں کہ میرے بندے نے توبہ کر لی، ندامت ہو گئی، شرمندگی ہو گئی تو نا صرف یہ کہ اللہ نے گناہ معاف کر دیا، ریکارڈ بھی جلا دیے، تاکہ کل میرا بندہ کہیں اپنے گناہ دیکھ کر شرمندہ نہ ہو جائے۔ دنیا کی عدالتیں تو معاف بھی کرتی ہیں تو ریکارڈ محفوظ رکھتی ہیں اور مولائے کریم تو ریکارڈ بھی ضایع کر دیتے ہیں۔

کچھ خوش نصیب تو ایسے ہوتے ہیں ان کی توبہ اتنی شاندار ہوتی ہے اور ندامت اتنی بڑھیا ہوتی ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ

اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اس در پر اور اس در پر مایوسی نہیں ہے، اس دربار میں مایوسی نہیں ہے، وہ تو اپنے بندوں کو نوازنا چاہتا ہے، لیکن اللہ نہ کرے بندہ بھی ایسا ناشکرا کہ اس سے اعلانِ جنگ کرے اور اپنے لیے خود ہی عذاب کو دعوت دے، پھر اس کی ہلاکت میں کیا شک ہے؟ پھر اس کی بربادی میں کیا شک ہے؟ وہ مولیٰ تو صبح ہے، شام ہے، ہے کوئی معافی مانگنے والا، ہے کوئی ایسا کہ میں اس کی خطاؤں سے در گزر کر دوں، کوئی ندامت لے کر آئے، وہ اپنی رحمت لے کر آتا ہے، کوئی چل کر آتا ہے، اس کی رحمت دوڑ کر آتی ہے اللہ ہمیں اور ہمارے پورے معاشرے کو اور ہمارے پورے ملک کو اور پوری قوم کو اس گندگی سے اور اس نحوست سے اور اس لعنت سے اللہ محفوظ فرما دے اور نجات نصیب فرمائے۔

صحیفۂ نبوت کی ایک حسین جھلک

محمد طیب حنیف

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ، وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا سِنِيْنَ، وَتَوَفَّاهُ اللهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ (رواہ الترمذی فی شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تمہید: تاریخِ انسانیت میں متعدّد جواہرِ انسانیت کو عدم سے وجود ملا، جو حُسنِ قیادت وسیادت، ذکاوت وفطانت میں اپنے مثل آپ تھے، جن کی عظمت وبرتری کا سکّہ چہار دانگ عالم میں رائج رہا، لیکن ان تمام شخصیات کا تعلق زندگی کے ایک زاویہ وگوشہ تک محدود ومنحصر رہا، اوراقِ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں کسی شخص نے بالکل ابتدا سے زندگی کے ہر گوشے میں تبدیلی واصلاح کی نوید سنائی ہو اور عالمِ انسانیت کو ایک معمولی عرصہ میں بھرپور تبدیلی و اصلاح سے مزیّن کیا ہو، جس کی شخصی زندگی ہر طائفہ انسانی کے لیے ایک کامل مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہو، اس جامعیت وانفرادیت کا اعزاز صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو جاتا ہے، جن کی آئیڈیل سیرت تاریخیت، کاملیت، جامعیت اور علمیت کے معیار پر پوری اترتی ہے، جو آپ کی ذاتِ مبارکہ سے محبت وعقیدت کا بنیادی سبب ہے۔

محبت کی اقسام ومدارج

محبت کے دو پیرائے ہیں: 1 عقلی محبت 2 طبعی محبت

ان دونوں میں سب سے قوی اوّل الذکر صورت ہے، جس میں غلبۂ حال یا کسی کیفیت کے آگے انسان بے بس ولاچار نہیں ہوتا، بلکہ عقل وخِرَد سے استدلال کے بعد اس کو دل سے تسلیم کرتا ہے اور اس کی عقیدت کا دل سے معترف ہوتا ہے۔

کتبِ حدیث میں متعدّد مقامات پر یہ بحث ذکر کی جاتی ہے کہ ایک صاحب ایمان کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی حبِّ طبعی کی مقتضی ہے یا حبِّ عقلی پر اکتفا کمالِ ایمان کے واسطے کافی ہے؟ چناں چہ اس سلسلہ میں علمانے اس پر نہایت عرق ریزی وجانفشانی کے ساتھ سیرِ حاصل بحث کر کے اس کو مستقل تصانیف کی صورت میں امّت کے سامنے پیش کر کے ایمانِ کامل کی حقیقیت سے آگاہ کیا ہے۔

جمہور محدّثین کی رائے یہ ہے کہ ایمانِ کامل کے لیے محض محبتِ عقلی درکار ہے، جبکہ صوفیائے کرام کی ایک بڑی جماعت حبِّ طبعی کی قائل ہے۔

مشہور حنفی عالم ملّا علی قاریؒ نے اپنی شرح مرقاۃ المفاتیح میں ایک اور قسم کا اضافہ کیا جس کو حبِّ ایمانی سے تعبیر کیا ہے، جس کا حاصل ومنتہی یہ ہے کہ انسان اپنی تمام مادّی ونفسانی خواہشات پر شریعت اور اس کے احکامات کو ترجیح دینا ہے۔

فیصلہ کُن رائے: محدّث العصر علّامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعلّق ایک فیصلہ کُن رائے پیش کی ہے، جس کی تایید ذخیرہ احادیث سے ہوتی ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں:

”حبِّ نبوی ﷺ کا مدار محض عقل وطبع پر کرنا مناسب نہیں، بلکہ ان کا مجموعہ مطلوب ہے، جس میں حبِّ عقلی کے زینہ پر قدم جمائے حبِّ طبعی منزل ومنتہی ہے۔“

اسی عشق ومحبت ہی کے سبب حقیقی عاشق اپنے محبوب کی ہر ہر ادا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا اور اسے محفوظ کرتا ہے، اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی پاک ﷺ کی جملہ عادات واطوار حتی کہ امورِ غیر اختیاریہ (جس کا اختیار کرنا انسانی قدرت وبساط سے باہر ہے) کو بھی محبت وعقیدت کے ساتھ بیان کیا ہے، جو ان کے کمالِ عشق پر بیّن دلیل ہے۔

اسوہ حسنہ کا خصوصی امتیاز

آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی بھی پہلو زیرِ پردہ نہیں ہے، بلکہ جو کچھ ہے وہ تاریخ کے آئینہ میں سب پر عیاں ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم وروح، ظاہر وباطن، آداب ورسوم کو سنوار سکتا ہے اور ایسی روشن زندگی ہی انسانیت کے واسطہ نمونہ ولائقِ اقتدا بن سکتی ہے۔

لَا تَعْجَبَنَّ لِحَسُوْدٍ رَاحَ يُنْكِرُهَا
تَجَاهُلًا وَهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ

ترجمہ: کوئی بھی عقل وخِرَد کا حامل شخص جو ان کے فضائل وکمالات کے اعتراف سے غفلت برتنے کی وجہ سے آبی وانکاری ہو تو اس پر تعجب مت کرو، حسد کی آگ اس کو انکار پر مجبور کیے ہوئے ہے۔

متعدّد حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے حلیۂ مبارک، عادات واطوار بیان کرنے کی وجہ سے ”وصاف رسول“ کے لقب سے سرفراز ہوئے، جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ملتا ہے، ایک طویل روایت میں انھوں نے آپ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ امورِ غیر اختیاریہ کو بیان کرنے کی وجہ ”اتعلّق بہ“ جملہ میں بیان فرمائی ہے، جس کی توضیح میں شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:

”تاکہ ان (امورِ غیر اختیاریہ) کو محفوظ کر کے بقدرِ وسعت ان کو عملی زندگی کا حصہ بناؤں۔“

قد وقامت کی کیفیت

{كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ} یعنی آپ حدِ اعتدال سے زائد طویل وقصیر نہ تھے، بلکہ میانہ قد والے تھے، شارحین حدیث نے اس نکتہ پر تنبیہ کی ہے کہ یہاں راوی نے محض لمبا قد ہونے کی نفی نہیں کی، بلکہ اس لمبائی میں حدِّ اعتدال سے تجاوز کے وہم کو دور کیا ہے، لہٰذا یہ جملہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں راوی فرماتے ہیں کہ آپ جب کسی جماعت کے ہم راہ تشریف فرما ہوتے تو ان میں قد وقامت کے لحاظ

بقیہ صفحہ 12 پر

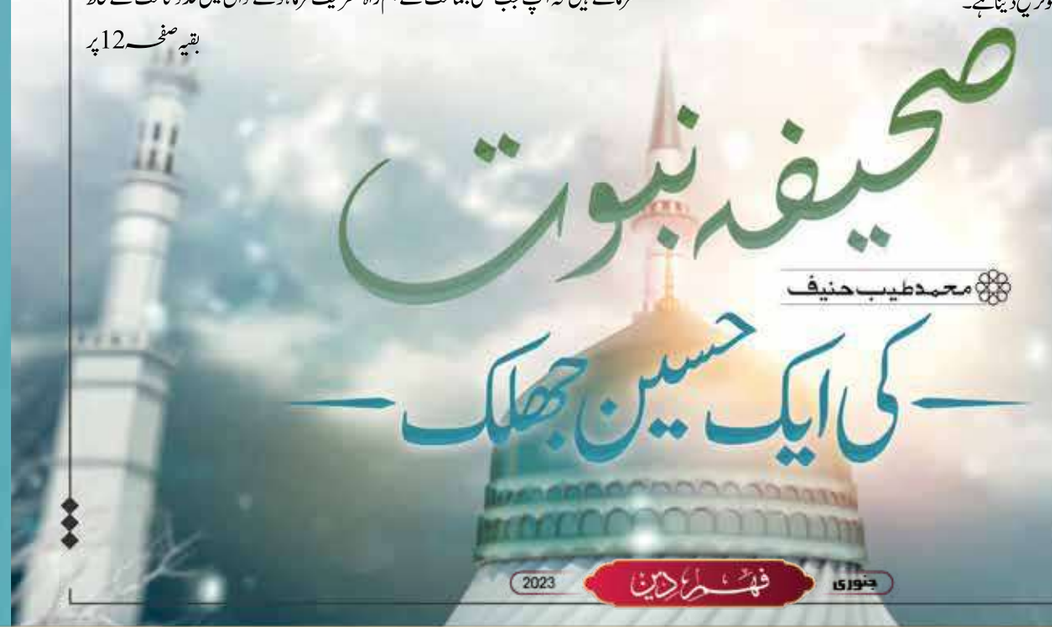

بدگمانی سے توبہ

بیگم ناجیہ شعیب احمد

”اللہ جی! میں نفس وشیطان کی باتوں میں آ کر بہک گئی تھی۔ آپ توّاب ورحیم ہیں، میں صدق دل سے آپ سے معافی مانگ رہی ہوں۔ اے ستّارُ العیوب! میرے عیب کو اپنی ستّاری کی چادر میں چھپا لیجیے۔ اے غفّار الذّنوب! میری خطا سے درگزر فرما کر مجھے معاف کر دیجیے۔“ رات کے آدھے پہر بینا سجدے میں پڑی ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس سے نادانی میں ایک غلطی ہو گئی تھی۔ بارگاہِ الٰہی میں احساسِ گناہ اور اعترافِ جرم کرتے ہی اس کے سارے عیبوں پر ستّاری کی چادر تن گئی۔ وہ اپنے ربّ العالمین کے روبرو اعترافِ گناہ کر کے سُرخرو اور مطمئن ہو گئی تھی۔

”آصفہ! تمہارے ماضی کی کیا پول پٹیاں کھول رہی تھی، تم نے ایسا کیا تھا، توبہ!“

اس بات کو تو کئی سال گزر گئے تھے۔ آصفہ اس کی کزن بدخواہی میں گڑھے مردے اکھاڑ لائی تھی۔ بینا کے ماضی میں ہوئی پوشیدہ غلطی کو بہت بڑا گناہ بنا کر اس کے شوہر کی عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ خوب لعن طعن، پھٹکار سنانے کے بعد بھی اس کے شفّاف آنسوؤں پر کسی کا دل نرم نہیں ہوا۔

بینا ایک گھنٹے سے اپنے شریک حیات کے پیر پکڑے مسلسل زار وقطار روئے جا رہی تھی۔ اس کی سسکیوں سے ساس امی کا نرم دل پسیجے جا رہا تھا۔ مگر اس کی آہ وزاری کا اس کے شوہر پر رتی برابر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ٹس سے مَس نہیں ہوئے تھے۔ بیٹے کے رعب اور دبدبے سے ساس امی بھی خاموشی کی تفسیر بنی کھڑی تھیں۔ آخر برداشت نہ ہوا تو رسان سے گویا ہوئیں: ”بیٹا! جو ہوا سو ہوا مٹی ڈالو۔ معاف کر دو۔“

”کیسے معاف کر دوں اسے؟ ساری دنیا میں بے عزت کر دیا، کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔ ابھی نہ جانے اور کتنے راز کھلیں گے محترمہ کے۔“ وہ نفرت اور حقارت سے دھتکار کر بولے اور زمین پر پڑی بینا کو ٹھوکر مار کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ بینا سسکتی بلکتی رہ گئی۔ اس سے ایسا کون سا گناہِ کبیرہ سرزد ہو گیا تھا، جس کی معافی مانگنے سے بھی نہیں مل رہی تھی۔ ماضی میں ہوئی غلطی مستقبل میں گناہِ کبیرہ بن جائے گی، یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ آہ! دنیا کی نظروں میں اس کا جرم ناقابلِ معافی تھا۔ معافی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی یا بدگمانی جمع ہو ہو کر شوہر کا اس سے دل بدظن ہو گیا تھا یا کر دیا گیا تھا۔

یہ ناروا سلوک ایک بینا کے ساتھ نہیں کئی بیناؤں کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ غلطیوں، کوتاہیوں سے مبرّا تو بس فرشتے ہی ہو سکتے ہیں۔ انسان تو خطاؤں کا پتلا ہے، سیکڑوں غلطیاں کرتا ہے اور بار بار توبہ۔ اللہ غفّار الذّنوب ہے، سچی توبہ کرنے والوں کو فوراً معاف کر دیتا ہے، مگر لوگ اس قدر کینہ پرور اور بغض بھرے ہوتے ہیں کہ بار بار معافی مانگنے پر بھی معاف نہیں کرتے، بلکہ خطاکار کو ماضی کے طعنے دے کر کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ زہر خند لہجے اور سرد رویے جیتے جاگتے ہنستے بستے آدمی کو مار دیتے ہیں۔ شکی مزاج کچے کانوں والوں کے دلوں میں بدگمانی کا بیج بو دیتے ہیں اور پھر اس کی آبیاری بھی کرتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیج تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بدگمانی کی جڑیں نس نس، رگ رگ میں گھس جاتی ہیں اور نسلیں تباہ وبرباد کر دیتی ہیں۔

آیئے! ذرا چودہ سو سال پہلے جنگِ اُحد کے میدان میں چلتے ہیں۔ سپہ سالار لشکر رسولِ اکرم ﷺ کے چچا سیّدنا امیرِ حمزہ کا مُثلہ کیا ہوا جسدِ مبارک دکھائی دیتا ہے۔ انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے شیرِ خدا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا بھی چبایا گیا۔ معلوم بھی ہے کہ کون تھے حمزہ؟ اللہ کے محبوب نبی ﷺ کے عزیز چچا۔ شہید کرنے کا حکم دینے والی کون تھیں؟ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا اور شہید کرنے والے کون تھے؟ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ۔۔۔ یہ دونوں اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، کفار کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔

کچھ ہی عرصے بعد مکہ مکرّمہ فتح ہوتا ہے۔ سارے مشرکینِ مکہ ڈرے سہمے ہیں کہ محمد ﷺ فاتحِ مکہ ہیں، ہم نے تو ان کے ساتھ بہت برا کیا تھا، نجانے اب یہ ہمارے کیساتھ کیسا سلوک کریں گے؟

فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے سب دشمنوں کو معاف کر دیا، ماضی کے دروازے بند کر کے ان پر مہر لگا دی گئی۔ اب کوئی تذکرہ نہیں کرے۔ کسی کا ماضی یاد دلا کر کسی کو شرمندگی سے دوچار نہ کرے۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے معاف کر دیا تو تم کون ہو؟ انا کے بت، تکبر وعناد رکھنے والے خاکی پتلے!! جب ان کے دل ایمان کی روشنی سے منوّر ہوئے، ظلمت کے سارے بادل چھاٹ دیے گئے، ابرِ رحمت نے سارے معاصی دھو کر انھیں پاک پوتر کر دیا، اب گناہوں سے تائب بندۂ خدا کو اس کے گناہوں پر عار دلانا بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جنہیں معاف کر دیا، ان کے لیے دل میں بدگمانی، بغض وعناد رکھنا توبہ توبہ استغفار!!

سنو، سنو لوگو! قرآن کیا کہتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، موجودہ حالت میں بھی اور اگر آیندہ بھی تم سے کوئی خطا ہو جائے گی تو ہم تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں معاف کر دیں گے اور صرف معاف ہی نہیں کریں گے؟ محبوب بھی بنا لیں گے اور تمہیں اپنے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال اور مستقبل دونوں کے تحفّظ کی ضمانت دے رہے ہیں کہ توبہ کی برکت سے حالاً و استقبالاً ہم تم سے محبت کریں گے۔ ہم ایک بار جس سے محبت کرتے ہیں، ہمیشہ کے لیے کرتے ہیں۔ ہم بے وفاؤں سے محبت ہی نہیں کرتے کیوں کہ ہمیں مستقبل کا بھی علم ہے کہ کون آیندہ ہم سے بے وفائی کرے گا اور کون باوفا رہے گا۔ ہم محبت اسی کو کرتے ہیں جو ہمیشہ باوفا رہتا ہے یا اگر کبھی بوجۂ بشریت کے اس کی وفاداری میں کوئی کمزوری بھی آئے گی اور اس سے کوئی خطا بھی ہو جائے گی تو وہ پھر توبہ کر کے باوفا ہو جائے گا۔ توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہوتا اور یہ بات دنیا کی ہر محبت کے مشاہدات میں بھی موجود ہے۔ سبحان اللہ!

سوچیے ذرا! کیا اللہ تعالیٰ کی محبت ماں کی محبت سے بھی کم ہے۔ ماؤں کو محبت کرنا تو اللہ نے ہی سکھایا ہے۔

کبیرہ وصغیرہ گناہوں کی ایک طویل فہرست ہے، جیسے زنا بدترین گناہ ہے۔ سود کھانا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ چوری کرنا بہت بری عادت ہے، وغیرہ، اب کسی گناہ گار، سیاہ کار نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے صدقِ دل سے چپکے چپکے معافی مانگی اور ہدایت کا طلب گار ہوا، اللہ ستّار العیوب نے اپنی بارگاہِ الٰہی میں اپنے اقراری مجرم کی ندامت اور شرمندگی کی لاج رکھ لی، اسے بالکل معاف کر دیا۔

اب وہ شخص آپ کے سامنے آتا ہے تو بھری محفل میں آپ اسے کنیہ توز نظروں سے دیکھتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں، لاعلم لوگوں کو اس کے ماضی کے بارے میں بتاتے پھرتے ہیں کہ جی یہ تو پہلے ایسا ایسا تھا۔ میں اس کے سب کالے کرتوتوں سے واقف ہوں۔ آج داڑھی رکھ کر بڑا پارسا بنا پھرتا ہے یا پھر کوئی بہن جو زمانۂ دوشیزگی میں کسی سنگین گناہ میں ملوّث ہو گئی تھی۔ اللہ سبحانہ

وتعالیٰ نے اسے بال بال بچا کر اسے ہدایت سے نواز دیا۔اب وہ باپردہ خاتون ہے۔گناہوں سے سچی توبہ کر کے ایک اچھی زندگی گزار رہی ہے، آپ کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے اور نفس وشیطاں کے ورغلانے پر آپ اس کی پارسائی کا پردہ چاک کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔اس گناہ کے چرچے کرنے سے باز نہیں آتے، جب بھی ملتے ہیں اس کو کہتے ہیں: یاد ہے تم یہ گناہ کر چکے ہو، ایسی صورتِ حال میں وہ شخص کیا کرے؟ کیا وہ مکر جائے کہ میں نے نہیں کیا؟

اس کے جواب میں مستند دارالافتا کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب مذکورہ شخص گناہ سے توبہ وتائب ہو چکا ہے تو اب لوگوں کا اُسے اس گناہ پر عار دلانا قطعاً ناجائز ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی ممانعت وارد ہے، بلکہ احادیث کی رو سے یہ اندیشہ بھی ہے کہ اس شخص کو (جس سے گناہ سرزد ہوا تھا) تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں، لیکن گناہ کا طعنہ دینے والے کو خود اس گناہ میں مبتلا کر دیا جائے، لہٰذا کسی مسلمان کو گناہ پر طعنہ دینا جائز نہیں ہے، خواہ توبہ سے پہلے ہو یا بعد میں، لوگوں کا یہ طرزِ عمل درست نہیں ہے۔

عار دلانے پر بجائے مکر جانے اور جھوٹ میں مبتلا ہونے کے ایسے افراد کو حکمت وبصیرت کے ساتھ وہ شخص سمجھائے اور انھیں اس شرعی حکم سے آگاہ کرے کہ کسی مسلمان کو گناہ پر عار دلانا سخت گناہ ہے اور حدیث میں اس پر وعید وارد ہے، پھر بھی اگر ایسے لوگ باز نہیں آتے تو یہ صبر کرے اور انھیں درگزر کر کے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرے، اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ بہت بلند ہو جائے گا اور اس کی دعاؤں کے نتیجے میں انھیں ہدایت مل گئی تو وہ نہ صرف باز آجائیں گے اور اس سے معافی بھی مانگ لیں گے، بلکہ ان کی ہدایت کا سبب بننے کی وجہ سے اسے بھی اجر ملے گا اور پھر بھی وہ باز نہیں آتے تو وہ اللہ کے ہاں مجرم ہیں، اللہ جل شانہٗ ان سے باعزت نجات کی خود سبیل پیدا فرمادیں گے۔فقط واللہ اعلم!

تو اے پیارے اُمتیو! کسی کا کوئی بھید اگر جان بھی گئے ہو تو اس پر پردہ ڈال دو۔رب العزت کی قسم! اللہ اپنی ستّاری کی چادر سے تمہارے سارے عیوب ڈھک دے گا، لیکن اگر تم باز نہ آئے تو یاد رکھو! وہ تمہیں ایسی جگہ ذلیل ورسوا کرے گا جہاں تمہارا گمان بھی نہیں پہنچے گا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو دوسروں کے لیے کینہ، بُغض وعناد رکھنے سے پاک رکھے۔آمین ثم آمین!

بقیہ

صحیفہ نبوت
کی ایک حسین جھلک

سے ممتاز معلوم ہوتے تھے۔

مُكَمَّلُ الْخَلْقِ لَا خَلْقَ يُمَاثِلُهُ
لَهُ اِعْتِدَالٌ فَلَا طُولٌ وَلَا قِصَرُ

ترجمہ: آپ کی ذاتِ گرامی صورتِ جسمانیہ میں کامل الخلقت ہے، مخلوق میں اس کی نظیر وشبیہ تک نہیں، آپ میں اعتدال تھا نہ طول تھا، نہ کوتاہ قامتی۔

چہرۂ انور کا حسن وجمال

{وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ} اَلْأَمْهَق: یہ اِبْیَض کی صفتِ مختصہ ہے، اس کے علاوہ کے لیے استعمال نہیں ہوتی۔یہ عربی زبان کی وسعت پر بیّن دلیل ہے، اس سے مراد خالص سفیدی ہے، جیسا کہ چونا وغیرہ ہوتا ہے۔

اَلْآدَمِ: گندم گوں رنگ کا ہونا جس میں سرخی کا بالکل اختلاط نہ ہو۔

چناں چہ آپ کے چہرۂ مبارک سے متعلق امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

ذخیرۂ احادیث پر غور کرنے سے یہ نتیجہ ملتا ہے کہ صحابیِ رسول ﷺ کا مقصد چہرے کی اُس سفیدی کی نفی کرنا ہے جو سرخی کی حسین آمیزش سے خالی ہو۔

موئے مبارک کی تفصیل

{وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ}: اَلْجَعْدُ: یہ بالوں کے گھنگریالے پن کو کہتے ہیں، جبکہ "اَلسَّبِطُ" اس کے برعکس بالکل سیدھے اور سپاٹ بالوں کو کہا جاتا ہے۔

شارحِ حدیث ملا علی قاریؒ اس حدیث کے ذیل میں ایک دقیق ولطیف نکتہ بیان کرتے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

نبی اکرم ﷺ کے بالوں میں قدرے گھنگریالہ پن اور سپاٹ تھا، جس میں حکمت یہ ہے (واللہ اعلم) عربوں کے بالوں میں گھنگریالہ پن، جبکہ عجمیوں کے بالوں میں سیدھا وسپاٹ پن غالب دیکھا گیا ہے، آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ان دونوں اصناف کا جامع بنا کر آپ کی بعثت کی عمومیت وپیش کردہ شریعت کی عالم گیریت سے امت کو روشناس کیا گیا ہے۔

علمائے متاخرین نے نبی کریم ﷺ کی زُلف مبارک کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

1. وَفْرَةٌ: جس میں بال کانوں کی لُو تک پہنچتے ہوں
2. لِمَّةٌ: جس میں بالوں کی طوالت کان کی لو سے نیچے اور کاندھے سے اوپر تک ہو
3. جُمَّةٌ: جس میں بالوں کی لمبائی کاندھے تک پہنچتی ہو

تاجِ نبوت سے سرفرازی کا شرف

{بَعَثَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً} اکثر انبیائے کرام علیہم السلام کو چالیس برس کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے، جس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس عمر میں انسانی قوی مضبوط ہو کر وحی کا بار اٹھانے کے متحمل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے "وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا" اس میں اکثر مفسرین نے چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر نبوت سے سرفرازی مراد لی ہے، كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ۔۔۔

{فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا} نبوت سے سرفرازی کے بعد آپ نے دس سال مکہ اور کم وبیش دس سال مدینہ میں قیام کیا۔

اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبوت کے بعد آپ نے تیرہ برس مکہ میں قیام کیا، پھر حدیثِ مذکورہ میں دس سال کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

شارحین نے اس کا جواب دیا ہے کہ عربوں میں اعداد وشمار میں اکائیوں کو حذف کر کے محض دہائیوں پر اکتفا کا رواج عام ہے، جس کے مختلف نظائر کلامِ عرب میں ملتے ہیں۔

{وَتَوَفَّاهُ اللهُ تَعَالٰى عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً}

نوٹ: یہاں بھی راوی نے اکائیوں کو حذف کیا ہے، چوں کہ آپ کی رحلت بلاتفاق مؤرخین 63 برس کی عمر میں ہوئی۔

نیز جن روایت میں آتا ہے کہ آپ کی رحلت 65 برس کی عمر میں ہوئی، اس کی توجیہ یہ ذکر کی جاتی ہے کہ راوی نے آپ کے سنِ ولادت ووفات کو مستقل شمار کیا ہے۔

بالوں کی سیاہی

{وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ} آپ کے سر اور داڑھی کے بالوں میں بیس بال بھی سفیدی تک نہ پہنچے تھے۔

ترمذی شریف کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان بالوں کو گننا چاہتا تو ان کی تعداد دس کے عدد کو پہنچتی تھی، مگر یہ حقیقتاً کوئی تعارض نہیں، بلکہ یہ اختلاف درحقیقت نظر وفکر پر مبنی ہے، ہر ایک نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ 63 برس کی عمر کے باوجود سر کے بالوں پر سیاہی کا غالب ہونا ممکن ہے کہ اس میں ازواجِ مطہرات کی رعایت برتی گئی ہو، چوں کہ عام طور پر بالوں کی سفیدی عورتوں کو طبعاً ناگوار گزرتی ہے، جو آپ کی ذاتِ اطہر سے بُعد ودوری کا سبب ہے۔

وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ.

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

الکحل ملی ہوئی دواؤں اور خوشبو کا شرعی حکم

سوال: موجودہ زمانے میں بہت سی دواؤں اور بہت سی چیزوں میں الکحل استعمال ہوتا ہے۔ ہومیوپیتھک کی کوئی دوا الکحل سے خالی نہیں ہوتی، اسی طرح ایلوپیتھی میں بھی اس کا استعمال رائج ہے۔ کھانے کی چیزوں (بسکٹ، شربت وغیرہ) میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ سینٹ، خوشبو خاص طور پر اسپرے میں الکحل ڈالا جاتا ہے۔

شریعت کا نقطہ نظر اس کے بارے میں کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں!

الکحل کی حقیقت: یہ دراصل عربی لفظ "الغول" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ "غول" عربی میں نشہ اور درد کی اُس کیفیت کا نام ہے جو شراب سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے اسی وصف کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: "لَا فِیۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا یُنۡزَفُوۡنَ" ترجمہ: جنت کی شراب پینے سے سر چکرائے گا نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔

اہلِ مغرب نے اس لفظ کو عربی سے نقل کر کے "الکحل" بنا دیا۔

شرعی حکم: الکحل ملی ہوئی دواؤں کا مسئلہ اب صرف مغربی ممالک تک محدود نہیں رہا، بلکہ اسلامی ممالک سمیت دنیا کے تمام ممالک میں آج کل یہ مسئلہ پیش آرہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنائی ہوئی شراب کو بطورِ دوا کے یا حصولِ طاقت کے لیے اتنی مقدار میں استعمال کرنا جائز ہے جس مقدار سے نشہ نہ پیدا ہوتا ہو۔

دوسری طرف دواؤں میں جو "الکحل" ملایا جاتا ہے، اس کی بڑی مقدار انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء، مثلاً: چمڑا، شہد، شیرہ، گندم اور جو وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہے۔

لہٰذا دواؤں میں استعمال ہونے والا "الکحل" اگر انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے حاصل کیا گیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس دواء کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ وہ نشہ آور ہونے کی حد تک نہ پہنچے۔ اور اگر وہ "الکحل" انگور اور کھجور ہی سے حاصل کیا گیا ہے تو پھر اس دوائی کا استعمال ناجائز ہے، البتہ اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اس مرض کی اس کے علاوہ کوئی اور دوا ہی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے استعمال کی گنجائش موجود ہے، اس لیے کہ اس حالت میں احناف کے نزدیک حرام اشیاء کے اجزاء سے بنی ہوئی ادویہ سے علاج کرنا جائز ہے۔

ویسے دوا میں استعمال شدہ الکحل عموماً کھجور اور انگور کے علاوہ اور چیزوں سے بنا ہوتا ہے، تاہم اگر یہ بات یقینی ہو کہ ان دو چیزوں سے بنا ہوا ہے تو پھر اس کا وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہے۔

جس طرح دواؤں میں الکحل کا استعمال زیادہ ہو چکا ہے، ٹھیک اسی طرح خوشبو، سینٹ اور خاص کر پرفیوم میں بھی اس کا استعمال بہت زیادہ ہو چکا ہے۔

باوثوق ذرائع اور معلومات کے مطابق پرفیوم وغیرہ میں جس الکحل کی آمیزش ہوتی ہے وہ عموماً انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کیا جاتا ہے لہٰذا اگر کسی کو تحقیق سے یا غالب گمان سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس پرفیوم یا دوا میں واقعی کھجور یا انگور سے حاصل الکحل کی آمیزش ہے تو اُس کے لیے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ اگر اس کی تحقیق نہ ہو تو چوں کہ کھجور اور انگور کے علاوہ الکحل کا استعمال غالب ہے اور ایسی چیزوں میں غالب پر حکم لگایا جاتا ہے، لہٰذا اس طرح کے پرفیوم کے استعمال کی شرعاً گنجائش موجود ہے، البتہ اگر کوئی اس سے بچنا چاہے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

موبائل فون میں قرآنی آیات وغیرہ بھروانے کا حکم

سوال: موبائل فون میں رنگ ٹون کی جگہ قرآنی آیات اور نعت بھروانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ بقول اہل اللہ موبائل فون ایک سہولت بھی ہے اور ایک عظیم امتحان اور آزمائش بھی! جدید ایجادات کی دنیا میں موبائل فون کا وجود ایک انقلاب آفرین اقدام ہے جو دو دھاری تلوار کی مانند بیک وقت پیغام رسانی کے اعتبار سے سہولت کا ایک عظیم شاہکار بھی ہے اور انسانیت کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنے اور معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کا بیج بونے کی ایک حیرت انگیز مثال بھی ہے۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور مردوں سے لے کر عورتوں تک حتیٰ کہ مال دار اور غریب ہر ایک کے پاس موبائل موجود اور اسی سے اپنے ذوق کی تسکین میں مبتلا ہے۔ جہاں یہ سہولت کی دنیا میں خلقِ خدا کے لیے ایک ضرورت ہے، دوسری طرف یہ ہمارے معاشرے کے لیے فساد کی جڑ ہے جو اخلاقی بگاڑ میں ایک گھناؤنا کردار ادا کر رہا ہے۔ حیاسوز ویڈیوز، موسیقی، فلمیں، ڈرامے، عریاں اور نیم عریاں تصاویر اور ہر قسم کی فحاشی پھیلانے میں یہ آلہ سرفہرست ہے۔ ضروری ہے کہ اس کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ گھر کے سربراہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں اور نوجوانوں کی نگرانی کریں۔

آج کل رِنگ ٹونز کی جگہ موسیقی اور گانے لگائے جاتے ہیں، جبکہ بعض لوگ موبائل فون پر اذان، قرآنی آیات، نعتیں، اذکار اور دعائیہ کلمات بطورِ رِنگ ٹونز کے لگاتے ہیں۔ جہاں تک رِنگ ٹونز کے طور پر موسیقی کا استعمال ہے، اس کے عدمِ جواز میں تو کوئی شک نہیں، بلکہ فقہی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات، ذکر و تسبیح، درود شریف وغیرہ کے کلمات اور ایسی نظمیں یا نعتیں جو ذکر اللہ پر مشتمل ہوں، کو بھی موبائل فون میں بطورِ رِنگ ٹونز کے استعمال کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

1. اچانک فون اٹھانے کی صورت میں قرآنی آیات درمیان میں کٹ جاتی ہیں جس سے آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے۔
2. دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ جس شخص کو فون کیا گیا ہے، بسا اوقات وہ بیت الخلاء میں ہوتا ہے تو فون آنے پر ایسی حالت میں مذکورہ مقدس کلمات کے الفاظ کے موبائل فون پر جاری ہونے میں بے ادبی ہوگی۔
3. اگر ان کلمات سے مقصود اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے فون آنے کی اطلاع حاصل ہو تو اس مقصد کے لیے مذکورہ کلمات استعمال کرنا مکروہ ہے۔
4. فون کرنے والا شخص اگر کسی کو فون کرے اور اس نے اپنے موبائل میں قرآنی آیات کی ریکارڈنگ لگا رکھی ہے اور اس کے فون اٹھانے کی صورت میں آیت درمیان میں کٹ جاتی ہے جو کہ ادب کے خلاف ہے۔
5. اگر کسی شخص نے گانے کی ریکارڈنگ اپنے فون میں لگا رکھی ہے اور فون کرنے والے شخص کے کان میں اس کی آواز جائے گی جس سے گناہ ہوگا، اس لیے رِنگ ٹونز کے طور پر میوزک لگوانے سے بھی اجتناب کیا جائے اور قرآنی آیات اور دیگر مقدس کلمات کو بھی اس غرض کے لیے استعمال نہ کئے جائیں۔

سبوس اسپغول

حکیم شمیم احمد

فوائد اسپغول

1. اسپغول حلق، سینے اور زبان کی کھر کھراہٹ کو دور کرتا ہے۔
2. اسپغول کا استعمال خشک کھانسی میں بھی مفید ہے۔
3. اسپغول صفراوی اور دموی جوش سے لاحق ہونے بیماریوں کے لیے نفع بخش ہیں۔
4. اسپغول کو سرکہ میں ملا کر لیپ کیا جائے تو گرمی کے اورام میں آرام دیتا ہے۔
5. اسپغول کے لعاب کے غرغرے کرنے سے منہ کے چھالوں کو آرام آتا ہے۔
6. اسپغول آنتوں کی خشکی سے لاحق ہونے والی قبض کی شکایت دور کر کے آنتوں میں پھسلن پیدا کرتا ہے۔
7. صفراوی اور دموی سر درد کی صورت میں عرقِ گلاب میں اسپغول کو لعاب ملا کر پیشانی پر لگانے سے تسکین ملتی ہے۔

8: شدید گرمی کے دنوں میں زیادہ پیاس محسوس ہو تو اسپغول کو پانی میں بھگو کر شکر ملا کر استعمال کرنے سے پیاس کی شدّت میں کمی آجاتی ہے۔

احتیاط: یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اسپغول کو کوٹ کر کھانا زہریلے اثرات رکھتا ہے۔ بیرونی طور پر لگانے کے لیے اسے پیس کر استعمال کر سکتے ہیں۔

قبض دور کرنے کے لیے

ھوالشافی: اسپغول سالم 50 گرام، سونف 50 گرام، مغز بادام شیریں 50 گرام اسپغول کے علاوہ دیگر دواؤں کو باریک پیس کر اسپغول کو صاف کر کے ملا لیں۔

5 ماشہ رات کو دودھ یا پانی سے کھانا قبض کے لیے نہایت مفید ہے، خاص کر آنتوں کی خشکی کو رفع کرتی ہے۔ بواسیری قبض میں مؤثر ہے۔

پیچش دور کرنے کے لیے نسخہ

ھوالشافی: اسپغول سالم 100 گرام، بیل گری 100 گرام، اندر جو شیریں 25 گرام اسپغول کے علاوہ دونوں دوائیں پیس کر اسپغول شامل کر لیں۔ 2 سے 3 گرام دن میں تین بار سادے پانی کے ہم راہ استعمال کریں۔

اسپغول کی بھوسی آنتوں کا السر اور زخموں میں انتہائی مفید

ایک مریض جس کی آنتوں میں زخم تھا، مسلسل دو ماہ تک مندرجہ ذیل نسخہ استعمال کروایا گیا اور نمک، مرچ، مسالوں سے سختی کے ساتھ پرہیز کرایا گیا۔ الحمد للہ! زخم بالکل مندمل ہو گئے۔ مریض کو احتیاطاً غذا میں کم نمک، مرچ کھانے کی تاکید کی، تاکہ مرض دوبارہ نہ ہو جائے۔

ھوالشافی: ایک عدد دیسی انڈے کی سفیدی نکال لیں۔ اس میں دو تولہ عرقِ گلاب خالص اور ایک چمچہ اسپغول کی بھوسی شامل کر لیں۔ روزانہ ناشتے کے بعد پلائیں، انشاء اللہ! آنتوں کا السر اور زخموں میں انتہائی مفید ہے۔

تعارف

اسپغول اور اس کی بھوسی تقریباً ہر گھر کی جانی پہچانی دوا ہے جو صدیوں سے آنتوں کی صحت کی بحالی کے لیے استعمال کی جا رہی ہے، بلکہ اب دنیا بھر میں اسے اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

قدیم دوا اسپغول دراصل فارسی زبان کے دو کلمات کا مرکب ہے۔ ایک اسپ یعنی گھوڑا اور دوسرا غول یعنی کان، چوں کہ اس کی شکل گھوڑے کے کانوں سے مشابہ ہوتی ہے، اس لیے اسپغول اس نام سے مشہور ہوئی۔ عام طور پر اس کی تین قسمیں ہیں: سفید، سرخ، اور سیاہ۔ سفید، سرخ صحت کے لیے مفید پائی گئی ہیں۔ اسپغول کا مزاج سرد تر اور ذائقے میں پھیکا ہے۔ اس کا بدل بہی دانہ اور تخم کوچہ ہیں، اس کا لعاب گرمی کے بخار، پیاس کی شدّت اور خون کے جوش میں تسکین دیتا ہے۔

طبِ جدید اسپغول کو ایک مؤثر ملین قرار دیتی ہے

مغربی دنیا میں اسے پیشاب آور تاثیر کے علاوہ اسہال اور پیچش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی بھوسی میں آنتوں کے زہریلے مواد جذب کرنے کی حیرت انگیز تاثر ہوتی ہے۔ طبِ جدید اسپغول کو ایک مؤثر ملین قرار دیتی ہے، یعنی قبض دور کرنے کے لیے کثرت سے استعمال کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ رات کو سونے سے پہلے یا صبح نہار منہ اسے دو کھانے کے چمچے اسپغول ایک گلاس پانی کے ساتھ استعمال کرنا ایک مؤثر تدبیر ہے۔ اسے چبا کر نہیں کھانا چاہیے بلکہ پانی میں حل کر کے پی لینا چاہیے۔ اس سے آنتیں چُست رہتی ہیں، یعنی اپنا کام ٹھیک طور پر کرتی رہتی ہیں۔

"سبوس اسپغول" جدید تحقیق کے مطابق

اسپغول کے دانوں کے اوپر سے سفید چھلکا الگ کر لیا جاتا ہے۔ اس کو "سبوس اسپغول" یعنی اسپغول کا چھلکا کہتے ہیں۔ یہ چھلکا کئی امراض میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لعاب اور پھیکا ہوتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق اس کا استعمال موٹاپے، کولیسٹرول اور یورک ایسڈ کا تدارک بھی کرتا ہے۔ یہ چھلکا معدے کی تیزابیت کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ جراثیم کو خارج کر کے جسم میں چستی اور تازگی پیدا کرتا ہے۔ یہ معدے کا محافظ ہے۔ یہ السریٹو کولائیٹس اور بواسیر میں نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔

حضرت اُمِ ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ندا اختر

زندہ شہید

جب آں حضرت ﷺ جنگ بدر کے لیے روانہ ہورہے تھے تو اُم ورقہ بنت عبداللہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے ساتھ جنگ پر جانے کی اجازت دے دیجیے میں مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کروں گی اور پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے سرفراز کردیں توآپ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر بیٹھو۔۔۔اللہ تعالیٰ تمہارے گھر میں ہی تمہیں شہادت کا تحفہ عطافرمائیں گے۔

آں حضرتؐ ان کے گھران سے ملنے جایا کرتے تھے اورانہیں شہیدہ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اورفرمایا کرتے تھے چلو شہیدہ سے ملنے چلتے ہیں۔انہیں جمع قرآن کی فضیلت حاصل تھی۔

انہوں نے اپنے ایک غلام اور باندی کے لیے یہ عہد کیا تھا کہ ان کی وفات کے ساتھ ہی وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے پھر جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا توایک رات ان کا غلام اور باندی دونوں اٹھے اوران کی چادر سے سوتے میں ان کا گلا گھونٹ دیا جس سے وہ انتقال کر گئیں او وہ دونوں وہاں سے فرار ہوگئے۔جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم خدا کی کل رات میں نے خالہ اُم ورقہؓ کی قرأت کی آواز نہیں سنی وہ ان کے گھر داخل ہوئے توانہیں کچھ نظر نہیں آیا ذرااور اندر گئے تو گھر کے ایک کونے میں وہ اپنی چادر میں لپٹی پڑی تھیں۔یہ دیکھ کر بے اختیار انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ ہی کہا۔پھر فرمایا جس کسی کو ان دونوں کے بارے میں کچھ معلوم ہو یا کسی نے انہیں دیکھا ہو میرے سامنے حاضر کرے۔چنانچہ ان دونوں کو پکڑ لیا گیااور جب حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تو ان دونوں نے اعتراف کر لیا کہ انہوں نے ہی اُم ورقہؓ کو قتل کیا ہے۔حضرت عمرؓ نے انہیں سولی پر چڑھانے کا حکم دے دیااوراس طرح یہ دونوں مدینہ میں سولی چڑھنے والے پہلے دوافراد تھے۔حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے شہادت طلب کی تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کا رتبہ ضرور عطافرمائیں گے چاہے وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ مرے۔

ایسی ہے اللہ کی قدرت

بنت مسعود

چندا سورج اور یہ تارے
رب ہی روشن کرتا سارے
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
دریا صحرا یا ہو خشکی
ہر سو پھیلی خلقت اس کی
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
پھل میوے گندم اور سبزی
وہ ہی دیتا سب کو روزی
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
سوکھی مٹی میں اگ آئیں
بیجوں سے پودے بن جائیں
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
اڑتے ہیں طائر یہ جب جب
ان کے پر تھامے ہے بس رب

ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
بادل سے برسے جو پانی
ہے رب کی نعمت لاثانی
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
بینائی دی شنوائی دی
اور رب نے ہی گویائی دی
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
میلوں پر پھیلا یا ساگر
پھر تیرائی کشتی اس پر
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت
آگ اور مٹی ہوا اور پانی
جینے کو کر دی آسانی
ایسی ہے اللہ کی قدرت
سب سے بڑھ کر اس کی طاقت

میرے صحن کا گلاب

لائبہ عبدالستار

کچھ چیزیں انسان کو پسند ہوتی ہیں اور پھر پسند سے بڑھ کر محبوب ہو جاتی ہیں۔

مجھے بچپن میں پھول بہت پسند تھے۔ گھر کے سامنے بہت ہی دل کش و حسین پارک تھا، پھر گھر میں بھی چند گملے رکھ لیے گئے، پھر رفتہ رفتہ بڑے ہوئے، گھر بدلا، عمر بڑھی، سوچ بدلی، مقاصد بنے، مزاج میں سنجیدگی کی آمد ہوئی، سب کچھ بدلا، مگر وہ ایک پسند اب پسند سے بڑھ کر محبوب بن گئی۔ فرق یہ ہوا بچپن میں پھول ہاتھوں میں پسند تھے، اب پتیوں سے بھرپور ٹہنی پر دل کش لگتے۔۔۔

ابتدا میں چھوٹی سی بالٹی میں پودا لگایا، پھر ایک گملہ، ایک سے دو، دو سے تین پھر صحن کے دونوں طرف پودوں کا بسیرا ہوا۔۔۔

درمیان سے گزرتے ہوئے محسوس ہوتا پودے میرے ہی استقبال میں لہلہا رہے ہیں۔۔۔ چنبیلی کے پودے میں تو میری جان بستی تھی۔ موسمِ بہار میں خوب چنبیلی لگتے، مگر میرا دل ان سے بھی نہ بھرتا، کیا ہی اچھا ہو کہ ایک عدد اور چنبیلی گھر کی، گھر میں آمد ہو؟ اب تک یہ صرف خیال تھا، مگر آخر کب تک؟ اگلے چند دنوں میں ایک اور چنبیلی مجھ سے دوستی کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔۔انتہائی خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اس کے لیے جگہ بنائی گئی اور صحن کی زینت میں مزید اضافہ ہوا، اگر اندھیری رات کو اپنے روشن ستاروں پر ناز تھا تو مجھے صحن کے پودوں پر۔۔۔ صحن کی جگہ تو پُر ہو گئی تھی، جس میں لیموں، چنبیلی، گلاب، گل دپھری، گوار پٹھا (ایلوویرا) تین قسم کی مختلف بیلیں اور کچھ ایسے پودے جن کے نام سے ہم واقف نہ ہو سکے۔۔۔ اب ذہن کی سوچیں صحن سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف براجمان ہونے لگیں۔۔۔ لہٰذا چند دنوں میں ہر سیڑھی پر ایک پودا میرے قدم کا منتظر رہنے لگا۔۔۔

پھر گلاب سے بھی مانوسیت بڑھنے لگی، مگر گلاب صاحب کو شاید ہم پسند نہیں یا وہ بہت حسّاس ہیں، جس بنا پر کچھ مہینوں میں مجھے الوداع کر کے دکھ کی وادی میں اتار کر چلے جاتے ہیں۔۔۔ مگر میں بھی ہار نہیں مانتی، ایک گلاب جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ مسکرا رہا ہوتا ہے۔۔۔ مگر پھر وہ مُرجھانے لگتا ہے تو پھر میں پریشان ہو جاتی ہوں، آخر میں کیوں اس قابل نہیں کہ میں اس کی دیکھ بھال کر سکوں، اُس کے مرض کی تشخیص کر سکوں۔۔۔ میں سوائے اس کے کچھ نہیں کر پاتی کہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی تعریفوں کے گُن گاتی ہوں۔۔۔

”دیکھو گلاب! تم مُرجھاؤ نہیں، تم مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہو، تمہارا رنگ بہت خوب صورت ہے اور خوش بو کے تو کیا ہی کہنے، تمہارے کانٹے لگنے سے مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنا تمہارے مجھے الوداع کرنے سے ہوتی ہے۔۔۔ میں تمہاری سرسبز پتیوں پر عروسی رنگ کا گل دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں تو کیا تم میری خوشی کی خاطر جی نہیں سکتے؟“

کیا تم میرے صحن کی رونق میں اضافہ نہیں کر سکتے؟

تمہیں معلوم ہے کسی محبوب کی جدائی کا دکھ؟

کیا تم اپنے محب کے پاس اس کی خوشی کی خاطر خود کو سنوار نہیں سکتے؟

مگر کب تک!! آخر کب تک؟

وہ واحد گلاب کا پودا میرے صحن کے تمام ہرے بھرے پودوں میں، انتہائی توجہ کے باوجود اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ سنو لائبہ! یہ دنیا فانی ہے، اس دنیا کی رنگینی میں کھو کر، دنیا کو باغ بنا کر، دل کش ترین چیزیں ترتیب دے کر، بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ یہ دنیا فنا ہو جانی ہے، روح نکلنے کی دیر ہے، خوب صورت انسان کو ہڈیوں کا ڈھانچہ بننے میں دیر نہیں لگنی۔۔۔

حساب اعمال کا بھی ہو گا، شمار ہوں گی عبادتیں بھی
بہت گراں ہوں گی نیکیاں بھی، پر اصل قیمت وفا کی ہو گی

اور پھر مجھے قرآن کا فرمان یاد آتا ہے۔

لوگ اڑائے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔(القارعہ:4)

پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے۔(القارعہ:5)

اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (المزمل:14)

یہ ریزہ ریزہ پہاڑ ہوں گے تو ٹوٹ جائیں گے چاند تارے
نہ کوئی ترتیب اور نہ صورت نظامِ ارض و سما کی ہو گی۔
وہ دن کڑا ہو گا سب دنوں سے، گھڑی جزا و سزا کی ہو گی
نہ کوئی توبہ قبول ہو گی، نہ قدر کوئی دعا کی ہو گی۔۔۔

پھر میں اس گلاب سے نصیحت حاصل کرتی ہوں واقعی یہ دنیا فانی ہے اس گلاب کی طرح ایک دن میں بھی مُرجھا جاؤں گی اور آج میں ہوں تو کل میری جگہ کوئی اور ہو گا، کسی کی زندگی اس کے محبوب کی وجہ سے نہیں بڑھے گی، خواہ وہ اس کی تمام تر محبتوں کا مرکز ہو۔ یہ زندگی تو رب کی امانت ہے جو وقت پر اسے لوٹانی ہے۔۔۔

لہٰذا تم کو چاہیے کہ اصل مقصد ہمہ وقت یاد رکھو اور اپنے رب سے تعلق مضبوط کرو اور رب تک پہنچنے کا ذریعہ اللہ کے رسول ہیں۔ قدم قدم پر ان سے رہنمائی لو۔۔۔

پھر ایک خوشی کی لہر میرے وجود میں دوڑ جاتی ہے کہ

جو میں خود نہ سمجھ سکی، وہ گلاب مجھ کو سکھا گیا
خود دنیا سے چلا گیا اور مجھے مقصود دنیا بتا گیا

ایک گلاب سے مجھے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف متوجہ کیا گیا اور مقصودِ زندگی یاد دلایا گیا اور ذریعۂ نجات بھی بتایا گیا۔

یہ دیکھا جائے گا روزِ محشر کہ کس کو کس سے رہی ہے نسبت
جہاں محبت نبی کی ہو گی، وہیں محبت خدا کی ہو گی۔۔۔
نہ زہد و تقویٰ نہ پارسائی خدا سے کوئی نہ آشنائی
کہ مجھ گنہگارِ دو جہاں کو اک آس خیر الوریٰ کی ہو گی

عمارہ فہیم

بلاعنوان

اس مضمون کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 جنوری ہے۔

گھر میں ہر طرف گہما گہمی تھی، بیٹی، داماد، بہنیں، بھانجے، بھانجیاں، بھتیجے سب جمع تھے، نصرت بیگم کے بڑے بیٹے کی شادی تھی، شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں، اپنی اکلوتی نند کی بیٹی کو بڑے ارمانوں سے بہو بنا کر لا رہی تھیں، دونوں نند بھاوج کی آپس میں بہت زیادہ بنتی تھی، کہیں جانا ہے تو ساتھ، سارا سارا دن بھی ایک دوسرے کے ساتھ، ایک دوسرے کے گھر میں رہتیں تو کسی کے ماتھے پر ایک شکن تک نہ آتی، مزے کی بات دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں تھا، دونوں ایک دوسرے کو آپا، بھابھی جیسے جملوں کی جگہ سہیلیوں کی طرح ناموں سے ہی مخاطب کرتیں۔

”روبی! چل جلدی آجا، ہل ہل کر نہ چل، جلدی سے رکشہ کرتے ہیں اور مارکیٹ سے جو جو سامان لینا ہے لے آتے ہیں۔“

نصرت بیگم نے اپنی نند کے گھر میں قدم رکھتے ہی پھولی سانسوں کے ساتھ آوازیں لگانا شروع کر دیں۔

”ہاں! آگئی بس! چپل تو پہن لوں۔“

روبینہ عرف روبی بیگم نے اپنے برقعے کا چھوٹا سا دوپٹہ سر پر لپیٹتے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے بھاوج کو تسلی دی، مگر وہ ان کی بھاوج ہی تھیں۔

”جا حنا! جا کر اپنی ماں کو جلدی لے کر آ، نہیں تو وہ ہلتی ہی رہے گی۔“

نصرت بیگم نے اپنی ہونے والی بہو سے سرگوشی کرنے کی کوشش کی مگر وہ سرگوشی تو نہ تھی۔

”ارے باجی! آ رہی ہیں، آپ اتنا کیوں ہلچل مچا رہی ہیں؟“

”پاگل لڑکی! جلدی جائیں گے تو ہی تو جلدی آئیں گے، پھر احمد کام پر آئے گا تو بھوک لگی ہو گی اسے اور عدنان کی نائٹ ہے تو اسے کھانا باندھ کر دینا ہوتا ہے، اس لیے تو جلدی کر رہی ہوں۔“

نصرت بیگم نے حنا کو اپنی جگہ سے ٹَس سے مَس نہ ہوتے دیکھ کر کہا۔

اتنے میں روبی صاحبہ بھی ہلتے جلتے سیڑھیاں اتر ہی آئیں اور پھر مارکیٹ کی طرف روانگی ہوئی۔

نصرت بیگم کی ہونے والی بہو نے بڑی مشکل سے ایک دو دولہن کے سوٹ اور سینڈل پسند کیں اور پھر کاسمیٹک شاپ پر آگئیں، جہاں سے اپنی مرضی کا سامان خریدا کیوں کہ آخر کار وہ پارلر کا پورا کام سیکھ کر جا رہی تھی تو اپنے لیے اچھا سامان کون سا ہے؟ یہ ایک میک اپ آرٹسٹ سے زیادہ بھلا کون جان سکتا ہے، نصرت بیگم کی جیب ٹھیک ٹھاک خالی کروانے کے بعد اب پیٹ پوجا بھی تو کرنی تھی تو اس لیے کاسمیٹک دکان کے ساتھ بنتے سموسے اور چاٹ لی گئی اور رکشہ کیا اور کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوا، گھر آ کر پیٹ پوجا کرنے کے بعد نصرت بیگم تو اپنے گھر کو چلی گئیں اور پیچھے حنا اپنی بہنوں اور ماں کے ساتھ بیٹھ کر سامان کی جانچ پڑتال کرنے لگی۔

اللہ اللہ کر کے شادی کا دن قریب آگیا، مگر آخر تک شاپنگ چلتی رہی، مایوں کے دن صبح سے بارش ہو رہی تھی، (آخر دونوں گھروں میں خوشی کا ساماں تھا تو فضول خرچی کے ساتھ ایسی رسمیں بھی تو کرنی تھیں، جس میں شوشا اور دکھاوا ہو) پریشانی سے سب کا برا حال تھا کہ آخر اب کیا ہو گا، کہیں دعائیں کی جا رہی تھیں تو کہیں مشورے دیے جا رہے تھے کہ سادگی سے گھر میں ہی رسم کر لو بس بات ختم، مگر ایسے تو روبی بیگم اور نصرت بیگم کے ارمانوں پر بارش پھر جاتی اور وہ یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔

قریب قریب کے مہمان روبی بیگم کے گھر پہنچ چکے تھے، دونوں گھرانوں نے دعوت کا پروگرام ایک ہی جگہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس لیے سب مہمان بھی ایک ہی گھر میں آ رہے تھے، خیر رات دس بجے کے بعد بارش رکی اور پروگرام کی سیٹنگ شروع کی گئی، جلدی جلدی رسم کی گئی اور مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کر دیا گیا۔

اگلے دن نکاح تھا، لڑکا نے مایوں مہندی کی رسم سے بھی انکار کیا تھا پر کوئی مانا نہیں، لیکن اب سے ضد تھی کہ نکاح مسجد میں ہی ہو گا، خیر! اس کی اس بات کو مان لیا گیا، ظاہر ہے تختۂ دار پر لٹکنے والے کی آخری خواہش تو پوری کی ہی جاتی ہے۔

مسجد میں نکاح ہوا اور دو دن بعد رخصتی خوب دھوم دھام سے کی گئی۔

شادی کے بعد کچھ دن بڑے ہی خوش گوار رہے، ساس بہو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مزے سے ہر جگہ آتی جاتیں اور دیکھنے والی ہر آنکھ رشک کی نگاہ سے دونوں کو دیکھتی، مگر دل کا حال بندہ اور خدا ہی جانتا ہے۔

ابھی شادی کو چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حنا کے والد سخت بیمار ہو گئے اور وہ تین دن بیمار رہ کر اپنے رب سے جا ملے، یہاں باپ کا انتقال ہوا اور یہاں دونوں گھروں کی قسمت بدلنا شروع۔۔۔

”میں ابھی یہیں رہوں گی امی کے پاس، تم باجی کو بتا دینا۔“

حنا نے اپنے شوہر کو پہلے دن سے ہی ایک کزن کی طرح ٹریٹ کیا تھا، اس لیے آپ جناب والا تکلّف نہ رکھا بلکہ ہمیشہ تم کا لفظ ہی استعمال کرتی رہی، ایک دو بار ساس اور شوہر نے ٹوکا بھی کہ اب رشتہ بدل گیا ہے، ایک دوسرے کی عزت کرنے سے ہی دوسروں کے سامنے عزت بنتی ہے، مگر کون کسے سمجھائے، وہ ایک کان سے سنتی اور دوسرے سے نکال دیتی۔

”ٹھیک ہے! یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، روبی باجی کا خیال رکھو، اس وقت ان سب کو تمہاری ضرورت ہے، مگر اپنا خیال رکھنا مت بھولنا، جانتی ہو نا! اللہ نے خوش خبری سے نوازا ہے، جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی پریشانی ہو فون کر دینا۔“

عدنان نے نرمی سے حنا کو حوصلہ دیتے ہوئے اس کی ماں کے گھر ہدایات کے ساتھ چھوڑ دیا، یہیں سے قسمت نے پلٹا کھایا اور وہ ہوا جو شاید نہیں ہونا چاہیے تھا۔

باپ کے انتقال کو پندرہ دن ہو گئے تھے، ایک دن نصرت بیگم نے حنا کو ساتھ چلنے کا کہا۔

”حنا! اب گھر چل! عدنان کو بھی کام پر جانا ہوتا ہے، جس طرح تم ماں کے گھر کو دیکھ رہی ہو تو وہ تمہارا سسرال ہے اور عدنان شوہر ہے تو تم پر اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور پھر ایسی حالت میں ہو مجھے اور اسے دونوں کو تمہاری فکر رہتی ہے۔“

”کیا پہلے آپ اپنے بیٹے کے کھانے پینے کا نہیں دیکھتی تھیں، اگر اب دیکھ لیں گی تو قیامت تو نہیں آئے گی، سب کو بس یہ یاد ہوتا ہے کہ بیوی پر شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ کوئی شوہر کو نہیں بتاتا کہ بیوی کے کیا حقوق ہیں، یہ نہیں کہ دو گھڑی ساتھ بیٹھ جائے، آ کر حال پوچھ لے، لیکن اس کے لیے وقت نہیں ہے، جب اسے کوئی پرواہ نہیں تو میں بھی نہیں جا رہی۔“

بقیہ صفحہ 21 پر

ام نسیبہ

آخری حصہ

مفلس کی قبا

انھیں ایمر جنسی میں ہسپتال لے گئے، جہاں انھیں انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا اور کئی ٹیسٹ وغیرہ ہوئے۔ ٹیسٹ کی رپورٹس حریم کو دہلا دینے کے لیے کافی تھیں۔ اماں کو تیسرے اسٹیج کا کینسر تشخیص ہوا تھا۔ حریم کو لگا جیسے وہ تپتے صحرا میں تنہا رہ گئی ہے۔ اس سے اماں کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی۔ فرحان بھی پریشان تھا۔ اماں کو ان کی بیماری کی نوعیت کے بارے میں بتایا تو نہیں تھا، مگر وہ حریم کا چہرہ پڑھنا جانتی تھیں۔ انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بیماری کوئی عام بیماری نہیں ہے۔ کچھ دنوں بعد اماں کو گھر لے آئے۔ علاج شروع ہو چکا تھا، اب ہر ہفتے اماں کو چیک اپ کے لیے ہسپتال لے جانا ہوتا۔ ایک ماہ بعد دوبارہ ان کے ٹیسٹ ہوئے، مگر رپورٹس اچھی نہ آئیں۔ اماں کی بیماری بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آئے دن ان کی طبیعت بگڑ جاتی اور انھیں ہسپتال لے جانا پڑتا۔ چھ ماہ کے مستقل علاج کے بعد ایک دن دس روز ہسپتال میں رہنے کے بعد ڈاکٹر نے اندوہناک خبر سنا دی کہ ان کی اماں اب کچھ دنوں کی مہمان ہیں۔ ان کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا گیا تھا۔ وہ دن حریم کی زندگی کے تکلیف دہ دن تھے۔ اس کی اماں پل پل موت کے قریب جا رہی تھیں اور وہ سوائے دعا کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اماں کو ہسپتال سے گھر آئے ہوئے پانچواں دن تھا کہ اماں کے پاس سلمیٰ خالہ آئیں۔ وہی سلمیٰ خالہ جنھیں دیکھ کر حریم کا پارہ ہائی ہو جاتا تھا، جو طرح طرح کے رشتے لے کر اس کے گھر آتی تھیں اور ہر نیا رشتہ اسے نیا کرب دے کر جاتا تھا۔ ان کی آمد پر حریم کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ وہ سلمیٰ خالہ کے لیے چائے لے کر کمرے میں گئی تو وہ اماں سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر خاموش ہو گئیں تو حریم کو اپنا خدشہ درست لگنے لگا۔

ان کے جانے کے بعد اماں نے حریم کو اپنے پاس بلایا۔

”حریم بیٹا! سلمیٰ کو میں نے بلایا تھا۔ تم سمجھ تو گئی ہو گی کہ وہ کیوں آئی تھی۔ کل کچھ لوگ تمہیں دیکھنے آئیں گے۔ لڑکا شادی شدہ ہے، مگر پہلی بیوی مر چکی ہے اور اس سے کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ اکلوتا ہے اور بہنیں شادی شدہ ہیں۔ دیکھ لینے میں کیا اعتراض ہے۔“

اماں نے ضعف کی وجہ سے مشکل سے اپنی بات مکمل کی۔

”اماں!! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر شادی کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ حریم نے بے بسی سے کہا۔

”میری بچی! میں تجھے بن بیاہا چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی تو کیا میری روح کو چین ملے گا؟“ اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کہیں نہیں جا رہیں آپ، خدا کے لیے ایسا نہیں بولیں۔“

حریم کا دل اماں کی بات سن کر ڈوبنے لگا۔

”بیٹی حقیقت سے منہ چرایا جائے تو حقیقت نہیں بدل جاتی۔ تم میری آخری خواہش سمجھ کر میری بات مان لو۔“ اماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”اماں!!!“ حریم سے کچھ نہ بولا گیا۔ وہ اماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

پندرہ دن بعد حریم کی شادی طے ہو گئی۔ دل میں ارمان تھا نہ کوئی خواہش۔ تمنا تھی تو فقط یہ کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور اس کی اماں کو نئی زندگی مل جائے۔ نکاح کا دن قریب آتا جا رہا تھا اور حریم کے دل کو نت نئے خدشات گھیر رہے تھے۔

کبھی کبھی زندگی بھی عجیب ڈگر پر چلنے لگتی ہے۔ خوشی کے موقعے پر بھی انسان کے لیے مسکرانا محال ہوتا ہے۔ اماں بسترِ مرگ پر تھیں اور وہ دلہن بنی بیٹھی تھی، وہ کیوں کر مسکراتی۔ اماں کے چہرے پر اطمینان تھا اور لبوں پر اس کے لیے دعائیں۔۔۔ پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب حریم پیا دیس سدھار گئی۔

پہلے ہی دن حریم کو کھٹکا ہوا کہ ان کے ساتھ غلط بیانی کی گئی ہے۔ رہی سہی کسر امجد سے بات ہونے پر پوری ہو گئی۔ جب اس نے بتایا کہ اس کی پہلی بیوی جس سے اس کی پسند کی شادی ہوئی تھی، اس کے ساتھ رہتی ہے۔ امجد نے انکشاف کیا کہ حریم سے شادی اس کی ماں نے فقط اولاد کے حصول کے لیے زبردستی کروائی ہے، ورنہ وہ تو اپنی پہلی بیوی کے ساتھ نہایت خوش تھا۔ نئی نویلی دلہن جو یہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے حُسن کے قصیدے نہ بھی پڑھے پر کم از کم کچھ ایسے عہد و پیماں تو ہوں جن کے سہارے اس نئی زندگی کی شروعات ہو، مگر یہاں تو کوئی عہد تھا نہ ہی زندگی کا کوئی خوش گوار احساس، کرب ہی کرب تھا۔۔۔ رد کیے جانے کی کیفیت سے تو وہ آشنا تھی، پر آج وہ اس شخص کی جانب سے رد کی گئی تھی، جس کی زندگی میں وہ قانونی و شرعی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔

”میری ماں کو بھی تم ہی ملی تھیں، دوسری شادی کروائی ہے تو کم از کم

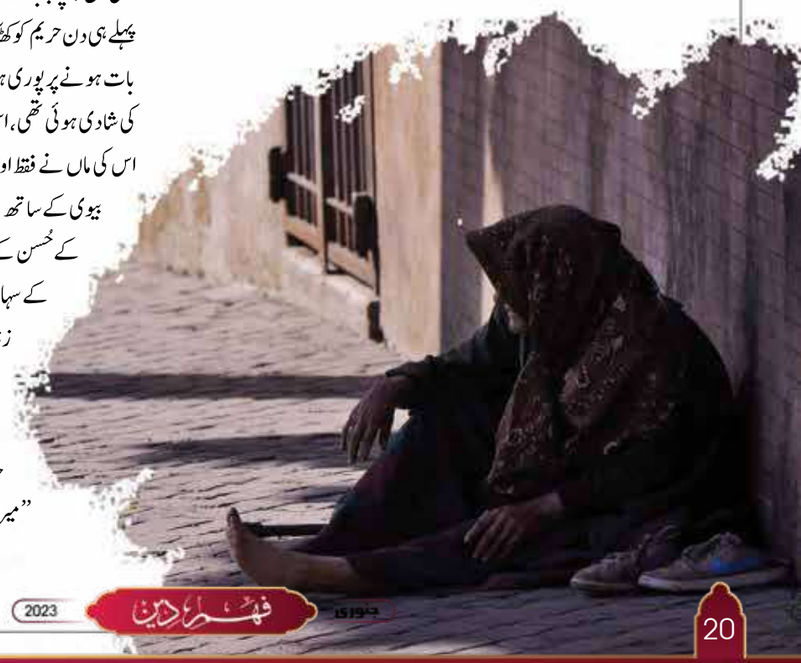

کوئی قبول صورت ہی لڑکی ہوتی۔ خیر!!! مجھے اس سے بھی کوئی سروکار نہیں۔“ امجد نے نخوت سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

شادی کا پہلا دن ہی دردناکیاں سمیٹے ہوئے تھا اور آنے والا وقت جو مصائب کے پھن پھیلائے اس کے استقبال میں تھا، اس کا اندازہ تو اسے بعد میں ہوا۔

ایک سال بعد حریم نے جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تو جہاں اس کی ساس کی دلی خواہش پوری ہوئی، وہیں امجد کا دوسری شادی کا مقصد بھی پورا ہوا۔

یہ سال حریم نے وہاں کیسے گزارا۔ اس بات کا احاطہ الفاظ کی صورت ممکن ہی نہیں۔ اذیت، دکھ، کرب جیسے لفظ بھی اس کی کیفیت کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ شادی کے تیسرے روز ہی اماں اس کے حالات سے بے خبر دنیا سے چلی گئیں تھیں اور وہ لمحہ لمحہ ٹوٹتی رہی، بکھرتی رہی، سہتی رہی۔ کرنے کو تھا ہی کیا، کوئی ایسا نہیں تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ رو سکتی، اپنا دکھ بانٹ سکتی۔ بھائی اپنی اپنی دنیا میں مگن زندگی گزار رہے تھے۔

بچوں کی پیدائش پر اس کے دل میں امید کی ہلکی سی کرن جاگی تھی کہ اب شاید اسے اس گھر میں کوئی معمولی سا ہی مقام مل جائے۔ شاید امجد کا دل اس کے لیے نرم ہو جائے۔ پر یہ محض اس کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ غالبًا بچوں کی پیدائش کے بعد پانچواں روز تھا۔ جب امجد نے معمولی سی بات پر بچوں کو حریم سے چھین کر اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ روتی رہی، بلکتی رہی۔ اس نے اللہ اور رسول کے واسطے دیے پر اس شقی القلب شخص کے دل میں ذرہ برابر رحم نہ آیا اور اس نے حریم سے نکاح کا تعلق ہی توڑ ڈالا۔

پتوں کی سرسراہٹ پر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔ کمرے کی چوکھٹ سے سر ٹکائے نہ جانے کتنی دیر ہو چلی تھی اور آنسو بھی بہہ بہہ کر تھک چکے تھے۔ اس کی سوچ یہاں آکر رک جاتی کہ آخر کہاں اس سے کوتاہی ہوئی؟ اس کی غلطی کیا تھی؟ قصور تھا تو فقط یہ کہ اس کا چہرہ کسی شاعر کی غزل جیسا نہیں تھا۔ اس کی گہری سانولی رنگت میں کشش کا کوئی پہلو نہ تھا۔ اس کی شخصیت کی خوب صورتی اور کردار کی پاکیزگی اس کے چہرے کے نقوش و رنگ پر حاوی نہ ہو سکی۔

کیا اس دن کے لیے اس کے ماں باپ نے اسے ناز و نعم سے پالا تھا۔

”کاش کہ ماں باپ اپنی بیٹیوں کے نصیب میں بکھرے صعوبتوں کے کانٹے چن سکتے۔۔۔ کاش! معاشرے کے یہ پتھر دل لوگ محسوس کر سکیں کہ یہ سانولی سلونی یا گہرے رنگ والی لڑکی بھی اپنے والدین کی شہزادیاں ہیں اور گوشت پوست کا دل رکھتی ہیں۔۔“

اس نے سوچا اور شکستگی سے آنکھیں موند لیں۔

زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں!!

بقیہ

بلاعنوان

حنا نے دوٹوک جواب دیا۔

”اسے پرواہ نہ ہوتی تو بار بار فون نہ کرتا، نہ ہی مجھے لینے بھیجتا، وہ کام کرے یا اب تمہارے نخرے ہی دیکھتا رہے، حد ہے بھئی! ماں کبھی کہتی ہیں کہ بیٹی کو صبح یہاں چھوڑ دو رات کو لے جاؤ، کبھی کچھ کہتی ہیں کبھی کچھ، تماشا لگا رکھا ہے۔ ارے! جب شوہر کے ساتھ رہنا نہیں تھا تو شادی کیوں کی تھی!“

نصرت بیگم نے غصے سے دانت پیسے۔

”تو ٹھیک ہے پھر اپنا بیٹا اپنے پاس رکھو، میری بیٹی یہیں رہے گی، وہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی، شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے جو تم نے اپنے رنگ دکھانا شروع کر دیے۔ بڑے چاؤ سے بیاہ کر لے کر گئیں تھیں اب کیا ہوا؟

یا تو دوسرے گھر میں اسے شفٹ کرو یا پھر یہ یہیں رہے گی، تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔“

اب کی بار حنا کی ماں نے بجائے بیٹی کو سمجھانے کے درمیان میں آکر معاملہ مزید خراب کر دیا۔ معاملہ بگڑتا گیا، دونوں طرف سے رنجشیں بڑھتی گئیں، حنا و عدنان کو بیٹی کی صورت اللہ تعالیٰ نے رحمت سے نوازا، مگر نہ حنا کا دل موم ہوا اور نہ اس کے ارادے بدلے بلکہ معاملہ کو مزید طول دی جاتی رہی، یہاں تک کہ نوبت خلع و طلاق تک پہنچ گئی۔

خاندان میں بات آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کو ہی موردِ الزام ٹھہراتے رہے، کئی بڑوں نے سمجھانے کی کوشش کی اور ایک دن بالآخر کوشش کامیاب ہو گئی۔

”ٹھیک ہے! میں گھر جانے کے لیے تیار ہوں، مگر میری ایک شرط ہے۔“

حنا نے بزرگوں، ساس، سسر، شوہر، ماں اور بہنوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنا فیصلہ سنایا۔ ”کیسی شرط؟“

”جس گھر میں مجھے بیاہ کر لے جایا گیا تھا، میں اس گھر میں نہیں رہوں گی، بلکہ ان کا جو دوسرا گھر ہے، وہ میرے نام کیا جائے اور سب سامان وہاں شفٹ کیا جائے، میں اُس گھر میں رہوں گی۔“

حنا کے لہجہ میں ذرا بھی لچک نہ تھی۔

”واہ! مزے ہی آگئے ہیں، گھر نام کرو، کوئی گھر نام نہیں ہو رہا، تمہیں الگ رہنا ہے تو رہو، مگر دوسرے گھر میں نہیں اسی گھر کے الگ فلور پر رہ سکتی ہو، ابھی مہر میں چار تولے سونا، رقم، سیٹ الا بلا کیا کچھ دیا اور اب گھر نام کرانے آئی ہیں۔“

نصرت بیگم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے، میں بھی واپس نہیں جاؤں گی اور نہ ہی بیٹی دوں گی، جو کرنا ہے کر لو۔“

حنا بھی بغیر کسی کا لحاظ کیے چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

کہتے ہیں عورت اگر چاہے تو نسلوں کو سنوار لے اور اگر چاہے تو سب برباد کر دے، روبینہ بیگم نے اولاد کی تربیت جس رَوِش پر کی تھی، آج اس کا اثر سامنے نظر آ رہا تھا۔ عورت کی زبان کی تیزی کبھی اسے آباد نہیں کرتی، بلکہ منوں مٹی دبنے کے بعد بھی اس کی زبان کے دکھائے گئے جوہر کا اثر باقی رہتا ہے۔

حنا کے جذباتی پن اور غصہ نے نہ صرف ایک اور گھر برباد کیا تھا، بلکہ ننّھی معصوم جان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا اور اس تقسیم کا اثر تادیر رہنے والا تھا، کون جانتا ہے کہ ننّھی پری کی آنے والی زندگی پر یہ کیسے اثرات مرتّب کرے گا؟

زمیں پر چاند اترا ہے

اریبہ رشد

رقص کرتی ہواؤں میں فلک پر چودھویں کا چاند آب وتاب سے چمک رہا تھا، اس کے حسن کا جلوہ دیکھنے کو ستاروں کی جھرمٹ قطار لگائے کھڑی تھی۔

جہاں اس نے اپنی دل فریب روشنی سے ہر چیز کو جگمگایا ہوا تھا وہیں اس نے اپنی چاندنی کے نور سے ایک گھر کے باغیچہ میں جھولے پر بیٹھی بڑی سیاہ آنکھوں والی لڑکی کو لمبی سی چادر میں لپٹے ہوئے دیکھا جو کتاب پڑھنے میں مصروف تھی اور اسی پل اس لڑکی نے نظر اٹھا کر چاند کو دیکھا تھا گویا اسے اس کے دیکھنے کا احساس ہوا ہو اور پھر اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی ہی رہی، پھر دلکش مسکراہٹ کے بعد واپس کتاب پر نگاہیں جمالیں۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد اس نے دوبارہ، پھر سہ بارہ چاند کی طرف نظر کی اور ہلکے سے تبسم کے بعد پھر نظریں جھکالیں، ایسا کئی بار ہوا، اب تو چاند بھی تجسّس بھری نگاہ سے اپنی اکثر چاندنی اُسی پر مرکوز کیے اس کے یوں کئی بار اچانک دیکھ کر مسکرانے کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسی اثنا میں کوئی اس باغیچہ میں داخل ہوا۔

چاند تھوڑا سامنے آیا کہ اب اُن کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن سکے پر فاصلہ طویل ہونے کی بنا پر اس تک ان کی آواز نہ پہنچ پا رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہواؤں نے اپنا رقص تیز کر لیا اور چاند کو بادِ صبا کے توسط سے بات سُننے کا موقع مل گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ میری شہزادی ردا یہاں کُھلے آسمان کے نیچے چاند کی روشنی میں بیٹھی ہو گی، تبھی میں اپنی گڑیا کے لیے یہیں دودھ گرم کر کے لے آئی۔

دنیا جہاں کا پیار اپنے لفظوں میں سموئے یہ کہتے ہوئے امی نے محبت سے دودھ سامنے رکھا۔

"امی جان! میں خود گرم کر لیتی آپ نے کیوں تکلیف کی۔

آئیں میرے ساتھ بیٹھیں آپ بھی۔ ہم مل کر اِس موسم سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میری تو روح تک تروتازگی دوڑ جاتی ہے اس پُرکشش منظر کو دیکھ کر، کیا خوب صنعت کاری ہے پروردگار کی۔"

بالکل میری جان اُس ذات کی قدرت کے شاہ کاروں پر بندہ دنگ ہی رہ جائے۔

اچھا اتنی تیز ہوا چل رہی ہے اور تم کب سے یہاں بیٹھی ہو، بالکل اپنا خیال نہیں رکھتی۔" امی نے اپنی شال اتار کر اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"امی مجھے ٹھنڈ لگتی تو میں کمرے سے لے آتی پر مجھے ایسے ہی بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔" ردا نے وہ شال پیار سے امی کو اوڑھاتے ہوئے کہا۔

"چندا ایسے بیمار ہو جاؤ گی، مجھے ٹھنڈ نہ لگ جائے اس لیے تم میری شال بھی نہیں اوڑھو گی، میں ابھی تمہارے لیے دوسری لاتی ہوں، بہت ضدی ہو۔"

"ارے امی نہیں، رہنے دیں!!"

پر امی کہاں رکنے والی تھیں ابھی ردا کے الفاظ بھی مکمل نہ نکلے تھے کہ امی اندر جا چکی تھیں۔

"اللہ! یہ اتنی محبت کہاں سے آتی ہے ان ماؤں کے دلوں میں کیسی بے لوپ بے غرض سی محبت ہے!"

یہ سوچتے ہوئے وہ ایک بار پھر چاند کو دیکھنے لگی اور دودھ کا کپ منہ سے لگالیا۔ ٹھنڈی ہوا میں اندر اترتی گرمائش طبیعت کو مزہ دے رہی تھی۔

ردا نے دودھ کا کپ ختم کر کے رکھا تو اتنے میں امی ہاتھ میں شال لیے واپس آئیں، ردا نے ایک نظر سامنے سے آتی ہوئی امی کو دیکھا اور دوسری نظر چاند پر ڈالی اور پھر ایک بار امی کو دیکھا: "نہیں بھئی کوئی مقابلہ نہیں، اس فلک کے چاند کا میرے زمین کے چاند سے!!" ردا نے شال اوڑھ کر امی کی بانہوں میں ہاتھ ڈالتے ہوتے ہوئے کہا۔

"امی اس چاند کو دیکھیں، میں اسے بار بار دیکھ کر یہ سوچ رہی تھی کہ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی حسین ہو سکتا ہے؟ اس کی چاندنی کتنا سرور دیتی ہے پر نہیں، جو تسکینِ قلب آپ کو دیکھ کر اور جو راحت آپ کے آنچل میں محسوس ہوتی ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں!

ہر تکلیف دہ موقع پر یہ سوچ کر اندر تک اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے کہ "میری ماں میرے ساتھ میرے پاس ہے۔"

"آپ کی موجودگی مجھے مضبوط کرتی ہے میری ساری خوشیاں آپ ہی سے وابستہ ہیں، آپ کے بغیر تو اس دنیا کو میں ویران لکھتی ہوں۔"

"امی۔" ردا نے امی کے گلے لگتے ہوئے کہا مجھے آپ سے آپ ہی تک کے دائرے اچھے لگتے ہیں! یونہی ہمیشہ میرے سنگ رہیے گا، میں آپ کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ کے لیے میرے دل میں یہ محبت میرے رب نے ڈالی ہے، میں اس سے ہمیشہ آپ کا ساتھ مانگتی ہوں!!"

یہ کہتے ہوئے فرطِ جذبات میں ردا کے اشک بہہ نکلے جنہیں اُس کی امی نے چن کر گرنے نہیں دیا۔

"پگلی خود بھی رو رہی ہو اور مجھے بھی رُلا رہی ہو۔" امی اپنے آنسو پونچھنے لگیں تو ردا نے امی کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور انھیں آنکھوں سے لگالیا، پھر امی کے کاندھے پر سر رکھ کر فلک کے چاند سے مخاطب ہوئی: "چاند میاں! آپ کیا سمجھے رات میں صرف آپ ہی کے حسن کے چرچے ہیں؟ میرے چاند کو دیکھو! اِس کی روشنی میری دنیا روشن کیے ہوئے ہے۔"

یہ کہتے ہوئے ردا نے امی کو مسکرا کر دیکھا اور دل میں رب سے دعا کرنے لگی کہ مولا تُو میرے چاند کو سلامت رکھنا اور یہاں ردا کی امی بھی دل ہی میں رب سے کہہ رہیں تھیں کہ خدایا! تجھے میری کون سی نیکی پسند آئی جو اتنی قدر دان، فرماں بردار بیٹی کی نعمت سے سرفراز کیا، یہ واقعی تیری عطائے کریمی ہے!!"

اورآسماں پر بدر کا چاند یوں ماں بیٹی کی محبت بھرے انداز کو دیکھ کر مزید دمک اٹھا۔

آئینہ ہے قلم

عظمیٰ ظفر

حلیمہ نگار نے بے دلی سے فون بند کیا تھا۔

”پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں، میں کیا اب ان معمولی لوگوں کو انٹرویو دوں گی؟ ہونہہ!“

کچھ سالوں سے ایڈیٹر، ایڈمن اور قارئین نے اسے ادب کے آسمان پر چڑھا دیا تھا، اس کا قلم ایک شناخت تھا جریدے کی کام یابی کا، مقبولیت کا، ڈائجسٹوں کی کاپیاں ہاتھوں ہاتھ بکنے لگی تھیں۔ سننے میں آرہا تھا کہ حلیمہ نگار کو ان کے ناولوں پر ڈرامے بننے کی آفر بھی آئی ہے۔

شہرت کا ہما ابھی اس کے سر پر بیٹھا تھا، ان ہی ساری باتوں نے اسے بے انتہا مغرور بنا دیا تھا۔ ایک لکھاری کو چہرے سے کوئی نہیں پہچانتا، لوگ اس کے لکھے کو پہچانتے ہیں۔ حلیمہ کے سب سے بڑے نقاد اس کے قاسم ماموں تھے۔ اسے بچپن سے الفاظ کے معانی بتانے والے، لفظوں سے جملے بنانے والے اور جب آہستہ آہستہ اس نے لکھنا شروع کیا تو اس کے تخیّل کو پیرہن پہنانے والے، تنقید کرنے والے اور بھرپور سراہنے والے بھی، وہ جو کچھ بھی لکھتی قاسم ماموں کو سب سے پہلے دکھاتی۔ وہ پڑھتے، اصلاح کرتے اور تحریر کو نکھارتے تھے۔ قاسم ماموں کتابوں کے حوالے بتاتے جن سے وہ معلومات میں اضافہ کرتی، متروک لفظوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی۔

حلیمہ نگار کا قلم شہرتوں کی بلندی کو چھو رہا تھا۔ قاری اس کے سحر میں گرفتار رہتے تھے، انتظار کرتے تھے اور بے قرار بھی رہتے تھے۔

وقت کی رفتار سرکتے سرکتے ٹیکنالوجی کی دوڑ میں آگئی۔

حلیمہ نگار نے اس جدّت سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ مطالعہ اور محنت میں کمی آگئی، پھر محبت سے لکھنا چھوڑ دیا۔ سستے اور بازاری جملوں نے کہانیوں میں جگہ لینا شروع کر دی۔ شہرت کا ہما اڑ گیا اور تکبر کا قلم رہ گیا۔

آج بہت دنوں بعد وہ اپنی نئی کہانی لے کر قاسم ماموں کے پاس آئی تھی۔ انھوں نے کہانی کو پڑھنا شروع کیا اور کچھ ہی دیر بعد رک گئے، چہرے کا رنگ بھی بدلنے لگا۔

”یہ کس موضوع کو چنا ہے تم نے حلیمہ؟ سچ کہوں تو سوائے بیہودگی کے اور کچھ نہیں اس میں، ایک غلط رشتے کو دوستی کا رنگ دے کر پڑھنے والوں کے ذہن کو پراگندہ کر رہی ہو، بالکل بکواس۔“ انھوں نے مسوّدے کو دور کیا۔

قاسم ماموں کو غصہ آگیا تھا۔ ”مجھے پتا تھا آپ کو پسند نہیں آئے گا۔ اب یہی سب پسند کیا جاتا ہے۔ گھسی پٹی محبت میں رشتوں پر کیچڑ اچھالنا، مرچ مصالحوں کے ساتھ بازاری جملے لکھنا، یہ سب عام ہے ماموں! اب کوئی نہیں پڑھنا چاہتا، حب الوطنی اور حقوق العباد والی کہانیاں۔“ حلیمہ نے غلطی ماننے کے بجائے الٹا توجیہہ پیش کی۔

”میں نہیں مان سکتا، لکھاری معاشرے کا آئینہ ہوتا ہے، جب تم گندا آئینہ دکھاؤ گی تو لوگوں کو بھی اپنا آپ گندا دکھے گا۔“ ماموں کے آگے اس کی دلیل بودی تھی۔

”آپ مت مانیں، اب سب کو کچھ نیا چاہیے۔ ٹھرل، تجسّس، کسی کا چکر کسی کے ساتھ یہ سب چلتا ہے۔“ حلیمہ نے بے فکری سے کہا۔

”لیکن برائی کو اچھالنا بھی برائی ہے، تم نے کیسے جملے استعمال کیے ہیں۔“ انھیں بالکل بھی کہانی پسند نہیں آئی تھی۔

”آپ دیکھیے گا، کیسے ہاتھوں ہاتھ لیں گی ایڈیٹر اس کہانی کو، جہاں سے معقول رقم ملے گی، اُسی رسالے کو دوں گی۔“ حلیمہ کا غرور جھلکا۔

بہترین لکھاری نے جب وعدے پورے کرنے اور وقت پر تحریریں دینے کے بجائے دوسروں کو انتظار کروا کر اپنی اہمیت دکھانا چاہی تو کچھ ہی دنوں میں ایڈیٹر بھی اسے بھولنے لگے۔ نئے لوگوں کو جگہ ملنے لگی، جن نومولود لکھاریوں نے حلیمہ سے لکھنا سیکھا تھا، آج وہ آگے نکل گئے تھے، حلیمہ نگار پیچھے چلی گئی۔

”قاسم ماموں، کوئی نئی کتاب ہے تو دے دیں۔“ ایک سہ پہر وہ خالی ہاتھ ان کے پاس آئی۔

”نئی کتاب!!! اچھے لوگوں نے لکھنا چھوڑ دیا ہے حلیمہ!“ ماموں نے گہرا طنز کرتے ہوئے حد درجہ مایوسی سے کہا۔

وہ ان کی بات سمجھ کر شرمندہ ہو گئی تھی۔

”قلم کی اہمیت کم ہو گئی ہے کیا ماموں؟“ اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

”قلم کی اہمیت کبھی کم نہیں ہو سکتی حلیمہ!! جب سے قلم کی تخلیق ہوئی اور جب حرف اٹھا لیے جائیں گے، تب تک اس کی اہمیت کبھی بھی کم نہیں ہو سکتی۔ جانتی ہو جب رسول کریم ﷺ سورۃ النجم کو لکھوا رہے تھے تو آیتِ سجدہ پر رک کر انھوں نے سجدہ کیا، ان کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی سجدہ کیا اور ان سب کے ساتھ قلم اور دوات بھی جھک گئے تھے۔ تم سے پتا ہے غلطی کہاں ہوئی؟“ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہے تھے۔

”کہاں ہوئی، بتائیں؟“ اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے سے کہا۔

”جب سے تم نے جھکنا چھوڑ دیا، خود کو علم سے سیراب کرنا چھوڑ دیا تب سے۔“ انھیں اس کا جھکا سر دیکھ کر تکلیف ہوئی تھی۔

”یاد رکھنا حلیمہ نگار! وہی تحریریں زندہ رہتی ہیں، جن میں دوسروں کے سیکھنے کے لیے کچھ ہو۔ اسی طرح وہی لوگ دلوں میں زندہ رہتے ہیں جو دوسروں کو کچھ سکھا کر جائیں۔ تم نے فیس بک اور دوسری جگہوں سے لوگوں کی چکا چوند کہانیوں میں گم ہو کر سچ اور جھوٹ کے فرق کو بھلا دیا، اس لیے وہ لکھو جو اصلاح کرے، وہ مت لکھو جو گمراہ کر دے۔ جاؤ! پھر سے کوشش کرو۔ اس صلاحیت کو نعمت سمجھو اور نعمتوں کا حساب دینا ہو گا۔“ قاسم ماموں نے اسے بھولا سبق یاد دلایا تھا۔

حلیمہ نگار قلم کی نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لیے خود کو تازہ دم کرنے لگی۔

خوشیوں کی بہار

تنزیلہ احمد

دور دراز کے بلند و بالا صحرائی میدان کی رونق ان دنوں قابلِ دید تھی۔ موسمِ بہار نے یہاں جیسے ہی قدم دھرے رنگ و خوش بو کی داستان ہر سو پھیلتی گئی۔ پٹولی بے انتہا خوش تھی اور اس خوشی کے باعث اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ خوش کیوں نہ ہوتی، اتنے ماہ کے انتظار کے بعد ویران میدان خوش نما پھولوں سے سجا اور معطر ہوا نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سارا سال وہ ان تین ماہ کا انتظار کرتے، جب برف سے ڈھکا بلند صحرائی میدان برف کی موٹی چادر دھیرے دھیرے سرکاتا اور زمین کے سینے کو چیر کر انوکھے اور نایاب پھول بوٹے جھومتے ہوئے سر اٹھاتے کہ جیسے وہ برف پگھلنے کے انتظار میں جھوٹ موٹ سوئے ہوئے بنے تھے۔ بہار آتے ہی ایسے خوب صورت اور نایاب پرندے پھولوں سے ہم کلام ہونے میدان میں اترتے کہ وہ سب آنکھوں میں حیرت سموئے انھیں دیکھتے رہتے۔

حسبِ معمول وہ بے فکری سے پھولوں کو سونگھتے اور اِدھر اُدھر چکراتے ہوئے گنگنا رہی تھی: پٹولی ہوں میں پٹولی ہوں

پھولوں کی میں سہیلی ہوں

اپنے آپ میں مگن وہ اس بات سے انجان تھی کہ کوئی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا آنکھوں پر دوربین لگائے اسے بغور دیکھ رہا ہے۔

”تمہاری تو خیر نہیں اب پٹولی۔“ بگو نے دوربین آنکھوں سے ہٹا کر ہوا میں مکا لہراتے ہوئے کہا۔

◆◆◆

وہ گل و گلِ زار میدان میں چت لیٹی تھی جب ایک خط اُڑتا ہوا اُس کے سر پہ آ کر گرا اور عبارت پڑھتے ہی اس کی آنکھیں پریشانی سے پھیل گئیں:

”تمہیں شاہ ثرکان نے بلایا ہے، شام ساڑھے سات بجے کٹی پہاڑی پر پہنچ جانا۔“

”اُف یہ کیا ہو گیا؟ یہ اچھی بات نہیں، ہرگز اچھی بات نہیں۔ مجھے امی اور ابو سے بات کرنی چاہیے۔ چلتی ہوں اچھے دوستو! اپنا خیال رکھنا۔“

پٹولی کافی بے چین لگ رہی تھی۔ آن کی آن میں وہ بھاگتی ہوئی سبزے سے ڈھکی خفیہ سرنگ سے ہوتی زیرِ زمین پہنچ گئی۔ یہاں تا حدِّ نگاہ ایک دنیا آباد تھی۔ زمین پر رہنے والوں کی آنکھ سے اُوجھل اور محفوظ... ایک طرز کے رنگ برنگے مکانات اور مختلف اشکال کی دیگر عمارتیں اس کی نظروں کے سامنے تھیں۔ وہ سیدھی اپنے گھر میں چلی آئی، جہاں اس کی ماں پرانے برتنوں پر قلعی پھیر رہی تھیں۔

”آ گئی تم؟ صبح سے کہاں غائب تھی؟“ انھوں نے پوچھا۔

”امی... وہ دراصل ایک بات کرنی ہے۔“

”عطر خریدنے کے لیے پیسے نہ مانگنا۔“ انھوں نے کام میں مگن رہتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں نہیں، کچھ مانگنا نہیں بل کہ کچھ بتانا ہے...“ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ہاں بولو...“

”وہ دراصل شاہ ثرکان نے مجھے شام میں کٹی پہاڑی پر حاضر ہونے کا کہا ہے۔“

بیٹی کی بات سنتے ہی قلعی والا برتن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھتی رہیں۔

”مم مگر کیوں، ایک منٹ، تم کہاں تھی جب بلاوا آیا تو؟“

”وہ مم... میں وادی میں تھی۔ پھ پھ پھولوں کے درمیان۔“ پٹولی نے اٹکتے ہوئے بات مکمل کی تو انھوں نے سر پیٹ لیا۔

”یہ کیا کر دیا تم نے؟ کیا تمہیں اصول یاد نہ رہا؟“ فکرمندی سے انھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھا جس کا قد بمشکل تین ساڑھے تین انچ تک تھا۔ وہ بونستان کے ایک عام سے مزدور کی بہت خاص بیٹی تھی۔ باقی سب سے منفرد اور زندہ دل۔

انھیں اب پٹولی کے ابو کا انتظار تھا کہ وہ گھر لوٹیں اور سر پہ پڑی مصیبت بارے بتا سکیں۔

◆◆◆

سطحِ سمندر سے کئی ہزار فٹ اونچے صحرائی میدان کے ایک جانب تنگ و تاریک پہاڑی سلسلہ تھا تو دوسری جانب دہشت ناک جانوروں کا مسکن ایک پر خطر جنگل۔ درندوں کی موجودگی کے باعث آج تک کسی انسان نے جنگل کا رُخ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

صحرائی میدان سال کے نو ماہ برف سے ڈھکا رہتا، اس لیے یہاں بھی کسی انسان نے رہائش پذیر ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پہاڑی سلسلہ دیوؤں کا مسکن تھا، جب کہ میدان میں زیرِ زمین بونوں کی وادی بونستان آباد تھی۔

دیوؤں کا میدانی اور پہاڑی علاقے پر قبضہ تھا۔ کئی سو سال پہلے صحرائی میدان کی وجہ سے دیو اور بونوں کے جھگڑے رہا کرتے تھے، پھر ان کے بزرگوں نے مشترکہ حل نکالا کہ جب میدان پر بہار اُترے تو ہفتے کے تین دن دیوئستان اور تین دن بونستان کے باسیوں کے ہوں گے۔ اگر کوئی کسی دوسرے کے لیے مختص کیے گئے دن میدان میں گھومے پھرے گا تو اس خلاف ورزی پر اُسے سزا دی جائے گی، پھر چاہے وہ کوئی دیو ہو یا بونا۔

آج منگل تھا اور یہ دن دیوؤں کا خاص دن تھا۔ اس دن کسی بھی بونے کو میدان میں پھٹکنے کی ہرگز اجازت نہ تھی، مگر جیسے ہی پٹولی کو پتا چلا کہ آج سارے دیو جنگل میں ہونے والی ایک تقریب میں جا چکے ہیں، وہ نظر بچا کر میدان میں پہنچ گئی۔ پھولوں اور ان کی مسحور کن خوشبوؤں سے اُسے عشق تھا، مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ نک چڑا بگو،

دیوؤں کے بادشاہ ثرکان کا اکلوتا بیٹا تقریب میں نہیں گیا بل کہ دل بہلانے کی خاطر اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف رہا اور اسی نے پٹولی کی چوری پکڑی تھی۔

پٹولی اپنے ابو، ٹیلو کے ساتھ ایک بڑے سے عدسے کے پیچھے ہاتھ باندھے مؤدّب کھڑی تھی۔ یہ عدسہ کچھ انچ کی مخلوق کو ان کی جسامت سے کئی گنا بڑا دکھا رہا تھا۔ دیوئستان کے سبھی باشندوں کی نگاہیں عدسے پر جمی تھیں۔ کئی سالوں بعد انھیں یہ منظر دیکھنے کو ملا، ورنہ وہ سب اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی زندگیوں میں مگن رہتے اور کوئی کسی کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنتا، مگر کسی روز ایسا ہو جائے گا یہ انھوں نے سوچا نہ تھا۔

موسمِ بہار دیوئستان اور بونستان دونوں کے لیے بے حد اہم تھا۔ دیو نایاب قسم کے معطر پھولوں کی خوشبو سے انتہائی اعلیٰ قسم کے عطر تیار کرتے جب کہ بونے جڑی بوٹیوں کو کھانے کے طور پر اور مختلف بیماریوں سے شفایابی کے لیے استعمال میں لاتے۔ بونوں کے پاس ایک خاص طاقت تھی اور وہ تھی ہر پھول کی خوشبو چرا لینے کی۔ اس لیے دن طے کیے گئے، تاکہ دیوؤں کو عطر بنانے کے لیے خالص خوشبو میسر رہ سکے اور ان کا کاروبارِ زندگی چلتا رہے۔

"کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری بیٹی نے اصول توڑا ہے؟" ثرکان نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"معاف کر دیجیے، بچی سے غلطی ہو گئی..." ٹیلو نے جلدی سے کہا۔

"یہ غلطی نہیں جرم ہے اور اس کی سزا ملے گی۔" ایک بزرگ دیو نے غصے کا اظہار کیا۔

"نہیں نہیں، ایسا مت کیجیے۔ پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دیجیے... پٹولی بیٹا معافی مانگو اور کہو کہ دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔" انھوں نے گھبراتے ہوئے کہا تو بگو نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"مم مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی، آیندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا..." پٹولی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شرمندگی سے اس نے سر جھکا رکھا تھا۔ اِس بات پر دیوئستان کی کابینہ میں بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ وہ مشورہ کر رہے تھے۔ نجانے کیا فیصلہ ہوتا؟

تبھی ایک آواز نے سب کی توجہ کھینچ لی۔

"اگر تم غلطی سے ہمارے والے دن میدان میں آ سکتی ہو تو سوچو اگر کسی دن کوئی دیو غلطی سے تمہارے والے دن میدان میں آ جائے تو... کیا پھر ہمیں بھی معافی مل جائے گی؟" آنکھوں میں شرارت اور چہرے پر معصومیت طاری کر کے سوال کرنے والا بگو تھا۔

اس بات پر پٹولی اور اس کے ابو نے جھرجھری لی۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ سب کچلے جاتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ دیوؤں کے لیے مختص دنوں میں کوئی بونا زمین کے اوپر آنے کی خطا نہیں کرتا تھا۔

"ہمم بگو کی بات میں دم ہے۔ اس غلطی کو معاف نہیں کیا جا سکتا، تاکہ آگے سے کسی کو بھی یہ جرم کرنے کی جرات نہ ہو۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پٹولی کو سزا ملے گی۔" یہ سن کر دونوں باپ بیٹی تھر تھر کانپنے لگے تھے۔

پٹولی نے رو رو کر برا حشر کر لیا تھا، جب سے وہ گھر واپس لوٹی اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

اگلی صبح اِک عجیب بات ہوئی۔ جیسے ہی دیو خوشبو اکٹھی کرنے کے لیے اپنے تھیلے اُٹھائے گھر سے نکلے، دیکھتے ہی دیکھتے کالے سیاہ بادل چھا گئے اور چھما چھم بارش برسنے لگی۔ یہ دیکھ کر دیو واپس لوٹ گئے۔ بارش میں کام کرنا ممکن نہ تھا۔ اگلے روز بھی ایسا ہوا اور پھر تیسرے روز جب دیو میدان میں پہنچے تو سبھی پھول اتنے نڈھال اور مرجھائے ملے کہ وہ سٹپٹا گئے۔ ایسا ہی اگلے ہفتے اُن دنوں میں ہوا جو دیوئستان کے لیے مختص تھے۔ یہ دیکھ کر اُن کے اوسان خطا ہونے لگے۔ ایسا کئی دہائیوں کے بعد دیکھنے میں آیا تھا۔

یہ دیوئستان کے باسیوں کے لیے بے حد پریشانی کی بات تھی کہ ان کا کام بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔

"تم لوگوں نے کسی کا دل دکھایا ہے۔" ثرکان کی بزرگ والدہ نے کہا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اُن کے سامنے پٹولی کی آنکھوں سے جاری برسات آ گئی۔ اس نے معافی مانگی تھی، پھر بھی اسے کڑی سزا سنا دی گئی کہ وہ اگلے دو ہفتوں تک میدان میں نہیں آئے گی اور نہ ہی کسی پھول کو چھو اور سونگھ سکے گی۔

اِدھر پھول اُداس اور مرجھائے ہوئے تھے، اُدھر پٹولی رو رو کر بیمار پڑ چکی تھی اور اس کی صحت یابی کا حل تازہ پھول اور اُن کی مہکار تھی۔

اگلے روز جب ٹیلو ضرورت کی جڑی بوٹیاں چن رہا تھا، اُڑتا ہوا ایک خط اسے موصول ہوا۔ خط پر عبارت درج تھی: "ہم نے پٹولی کو معاف کیا۔ اس کی سزا ختم کی جاتی ہے۔ وہ جب چاہے تم لوگوں کے لیے مختص شدہ دنوں میں میدان میں بے فکری سے گھوم پھر سکتی ہے۔" یہ پڑھ کر پٹولی کے ابو خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف بھاگے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی کم زور بیٹی کو لیے کھلے میدان کے کنارے کھڑے تھے، جیسے ہی پٹولی کی نظر رنگا رنگ پھولوں سے سجے میدان پر پڑی اس کی آنکھوں سے جاری آنسو رک گئے اور تھوڑی دیر بعد اسے اپنی طبیعت میں بہتری محسوس ہونے لگی۔ خوشی سے کھکھلاتے ہوئے وہ ہر پھول کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ کسی پھول کو چھوتی ویسے ویسے اس جیسے سبھی پھول کھل اٹھتے اور ان کی مہک ہر سو پھیلنے لگتی۔

یہ منظر دور بیٹھے دیو بھی دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ واقعی یہ سب پٹولی کا دل دکھانے کی سزا تھی۔ اپنی دانست میں وہ سمجھ رہے تھے کہ انھوں نے پٹولی کو اُس کی غلطی کی سزا دی ہے جب کہ وہ سزا خود اُن کے لیے سزا بن گئی تھی۔

"دیکھا بیٹا! بعض اوقات ایک چھوٹی سی بات کو بڑھانے اور در گزر نہ کرنے کی کیسی سزا ملتی ہے۔"

ثرکان نے دوربین آنکھوں پہ لگائے بیٹھے بگو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر اس نے اصول توڑا تھا۔" اس نے احتجاج کیا۔

"جب کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ شرمندہ بھی ہو تو دل اور ظرف بڑا کرتے ہوئے اُسے معاف کر دیتے ہیں اور تب تو لازماً جب اس میں سبھی کی بھلائی پوشیدہ ہو۔" بگو نے کھسیاہٹ کے مارے سر جھکا لیا۔ یہ سچ ہے کہ اس روز سبھی بڑے پٹولی کو معاف کرنے کی بات کر رہے تھے، مگر اس نے بیچ میں سے ٹوک کر سب برباد کر دیا۔

ایک درست فیصلے کی بدولت اُن سے روٹھی بہار لوٹ آئی اور پھولوں سے بھرا میدان مہک اٹھا۔ وہ سمجھ گئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ان کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کبھی کسی نے اصول نہ توڑا اور نہ کسی کو سزا دی گئی اور یوں دیوئستان اور بونستان کے باسی پہلے کی طرح ہنسی خوشی رہنے لگے۔

فیصلہ

مہوش اشرف

شام ہونے کو آئی تھی۔ پرندے بھی گھر لوٹنے کی تیاری میں تھے۔ آسمان ڈھلتے سورج کی وجہ سے سرخی مائل ہوا جاتا تھا، جیسے اس کی آنکھیں بھی دن بھر کی تھکن کے باعث سرخ ہوئی جا رہی ہوں۔ سڑک کنارے کئی لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز چلے جا رہے تھے۔

فیصل بھی بوجھل بوجھل قدم اٹھاتا گھر کی جانب چلا جا رہا تھا۔ دماغ میں گھنٹیاں سی بج رہی تھیں: "بابا تنخواہ ملے کتنے دن ہو گئے آپ نے کہا تھا، اس مہینے آپ مجھے ایک اچھا سا گفٹ دیں گے۔"

چلتے چلتے وہ ایک کنارے رک گیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہوا: "گڑیا کے لیے ہاؤس لے لوں کیا؟"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا۔

"ڈھائی سو روپے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ مزید سوچتے ہوئے وہ خود سے ہم کلام ہوا۔" ابھی تنخواہ ملے دن ہی کتنے گزرے تھے۔ آج پندرہ تاریخ ہونے کی آئی ہے، الٰہی باقی کا مہینہ کیسے گزرے گا؟"

مزید بنا کچھ سوچے اس نے کھلونوں کی دکان کا رخ کیا۔ دیدہ زیب کھلونے اتنے پیارے لگ رہے تھے کہ ایک بار تو خود اس کا دل کیا کہ تمام کھلونے گھر لے جائے۔ "بھائی کیا قیمت ہے اس کی؟" فیصل نے اپنے طور ایک نسبتاً کم قیمت والے ہاؤس پر ہاتھ رکھا۔

"ڈھائی سو روپے۔" دکان دار نے دوسرے گاہکوں سے نظر ہٹاتے ہوئے کہا۔

فیصل کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

"دودھ پی لے میری گڑیا اس سے تو بہتر ہی ہے، اس کے لیے تو یہی بہتر ہے۔" فیصل اپنے آپ کو سمجھاتے ہوئے ہم کلام ہوا اور دکان سے باہر نکل گیا۔

گھر میں داخل ہوا تو معلوم ہوا گڑیا سو رہی ہے، اس نے شکر کا سانس لیا کہ اسے گڑیا لے آنسوؤں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

"پانی۔" صدف نے پانی کا گلاس تھامے ہوئے کہا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو فیصل نے دروازہ کھولا۔

دوسری جانب اس کا جگری دوست منہاج کھڑا تھا۔ دونوں بغل گیر ہو گئے۔

"تو کب آیا یار۔" فیصل نے منہاج کو گھر میں خوش آمدید کہا۔

"بس کل ہی آیا ہوں اور دیکھ آج تیرے سامنے ہوں۔"

"بھابھی سے کہہ کر اچھی سی چائے بنوا دو، بہت عرصہ ہوا ان کے ہاتھ کی چائے پیے۔" منہاج نے فیصل سے فرمائش کی اور ایک تھیلا بڑھایا۔

"یہ کیا تم تو تکلّف کرنے لگے۔" فیصل کے لہجے میں شکوہ سا تھا۔

"بھئی تکلّف کیسا، اپنے بھائی کا گھر ہے۔" باتوں کی آواز سے گڑیا جاگ گئی۔

"بابا! میرا گفٹ؟" پانچ سالہ گڑیا نے سوال کیا۔

ابھی فیصل جواب سوچ ہی رہا تھا کہ جھٹ منہاج نے پاس رکھا چھوٹا تھیلا گڑیا کو تھما دیا۔

"یہ لیجیے، ہماری پیاری بھتیجی صاحبہ! آپ کے بابا اپنی گڑیا کے لیے ایک خوب صورت ہاؤس لائے ہیں۔"

"میرے پیارے بابا۔" گڑیا نے بانہیں فیصل کے گلے میں ڈال دیں۔

فیصل آب دیدہ ہو گیا۔

منہاج گھر کی غربت اور فیصل کے چہرے پر لکھی بے چارگی خوب پڑھ رہا تھا۔

"یار یہ بتاؤ! میرے پاس آؤ گے؟"

"بھائی! عمان اور بحرین سے آسامیاں آئی ہوئی ہیں۔ تم کہو تو میں بات کروں کب تک یہاں جوتیاں گھستے رہو گے۔" منہاج نے فیصل سے پوچھا۔

"ہاں یار! آئے دن کی کمر توڑ مہنگائی نے جینا حرام کر رکھا ہے، یہاں تو مرنا بھی آسان نہیں رہا، گزارا نہیں ہو رہا ہے۔ دیکھ یار اپنی بچی کی ایک فرمائش بھی پوری نہیں کر پا رہا ہوں میں۔" فیصل نے گڑیا کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر اُداسی سے کہا۔

"صدف بھی سلائی کرتی ہے اور میں بھی ڈبل شفٹ میں کام کر رہا ہوں، پھر بھی گزارا رو پیٹ کر ہی ہو رہا ہے۔ فیصل نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے مزید کہا۔

"یار! اس طرح پریشان رہنے سے کچھ نہیں ہو گا، زندگی پڑی ہے، اللہ کی بنائی ہوئی زمین ہے، اپنے حصے کا رزق تلاش کرو۔ سفر میں برکت ہے، تم بس ارادہ کرو اللہ آسانی فراہم کریں گے، ان شاء اللہ!" منہاج نے فیصل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کتنے دنوں کے لیے آئے ہو؟" فیصل نے سوال کیا۔

"بس یہی کوئی دو ماہ کے لیے آیا ہوں۔ اماں کہتی ہیں شادی کر کے جاؤں اس بار۔" منہاج نے قدرے مسکراتے کہا تو فیصل کے بجھے ہوئے چہرے پر بھی رونق آ گئی۔

"ارے واہ! میرے یار کی شادی ہے اور مجھے تم اب بتا رہے ہو۔"

فیصل نے خوشی کے ساتھ ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

منہاج بحرین میں سِوِل تھا۔ پانچ سال سے وہ اچھا کما رہا تھا۔ دو بہنوں کی شادیاں کرنے کے ساتھ اپنا گھر بھی بنا لیا تھا۔ اب اپنی شادی کی باری تھی۔ وہ اپنے ماموں کی چھوٹی بیٹی عالیہ میں دل چسپی رکھتا تھا۔ دونوں خاندانوں نے خوشی سے بات چیت طے کر رکھی تھی۔

"یار! خفا نہ ہو، تجھے سرپرائس دینا چاہتا تھا۔"

"آپ اور بھائی صاحب کے لیے چائے۔" صدف نے چائے کی ٹرے دروازے سے فیصل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھابھی! آپ کا بہت شکریہ۔" منہاج نے بلند آواز سے شکریہ کہا تاکہ صدف بھی سن لے۔

"سنا تم نے اپنا منہاج شادی کرنے آیا ہے اس بار۔" فیصل نے دروازے کی اوٹ میں کھڑی صدف سے کہا۔

"ماشاء اللہ بھائی! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ سلائی کا کوئی کام ہو تو مجھے بتایئے گا۔ صدف نے پیش کش کی۔ فیصل نے بھی لقمہ دیا: ان شاء اللہ! وقت پر بہترین کام کر کے دیں گی تمہاری بھابھی۔

"جی بھابھی سلائی کا سارا کام آپ کے حوالے۔" منہاج نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے چائے کی چسکی لی۔

"ہمیشہ کی طرح بہترین چائے!! یار بھابھی سے کہنا عالیہ کو بھی اپنی طرح چائے بنانا سکھا دیں۔" منہاج نے چائے پیتے ہوئے فیصل سے اپنی منگیتر عالیہ کے بارے میں بتایا کہ وہ کھانے تو مزے دار بناتی ہے، لیکن چائے میں کچھ کمی رہ جاتی ہے۔

منہاج نے فیصل سے اس وعدے پر اجازت چاہی کہ وہ باہر جاب اختیار کرنے کا جلد فیصلہ کرے گا۔

رات کے کھانے پر صدف نے فیصل سے کہا: "میں سوچ رہی ہوں کیوں نا کل صبح ہی خالہ رشیدہ کی طرف چلی جاؤں۔ شادی والا گھر ہے سو کام ہوتے ہیں خود ہی

جا کر خالہ سے کپڑے لے آؤں۔"
فیصل جو کسی اور ہی سوچ میں ڈوبا تھا، صدف سے مخاطب ہوا۔
"منہاج بتا رہا تھا، وہاں بحرین میں نوکریاں آئی ہوئی ہیں، کیوں نا میں بھی اپلائی کروں، یہاں تو دال روٹی مشکل ہو گئی ہے۔ فیکٹری سے کیا ملتا ہے بھلا! بیس ہزار، اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ اپنے منہاج کو ہی دیکھ لو، پانچ سالوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔
صدف کے حلق میں جیسے نوالہ اٹک گیا۔ "تو آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" صدف نے بہ مشکل سوال کیا۔
"سوچنا کیا ہے بس اپنے کاغذات تیار کرتا ہوں۔" فیصل نے جیسے فیصلہ لے لیا تھا۔
صدف جو اُمید سے تھی، یہ سب سن کر پریشان ہو گئی اور کہا:
"آپ مجھے اس حال میں چھوڑ کر کہاں جانے کی بات کر رہے ہیں؟"
"ارے پگلی! چھوڑ کر کہاں جا رہا ہوں؟ تم لوگوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہی تو جا رہا ہوں۔ تم گڑیا اور آنے والے بچے کا مستقبل میرے ہاتھوں میں امانت ہے، ایسے میں ایک روتی بلکتی سسکتی زندگی کے خواب نہیں دیکھے تھے میں نے، میں تم سب کو دنیا کی ہر آسائش دینا چاہتا ہوں۔" فیصل نے صدف کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرح رو کر مجھے کم زور نہیں کرو، بہادر بنو۔" فیصل مسکرایا تو صدف بھی مسکرا دی۔

اگلے دو ماہ میں فیصل کا ویزہ لگ گیا، اس نے اداسی اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ گڑیا اور صدف کو الوَداع کہا اور بحرین چلا گیا۔
روزگار لگ گیا۔ آمدنی کراچی بھیجنا شروع کی، گڑیا اسکول جانے لگی تھی۔
چند ماہ بعد صدف نے ایک صحت مند پیارے سے بیٹے کو جنم دیا، فیملی مکمل ہوتے ہوئے بھی نامکمل تھی۔ فیصل پردیس کاٹ رہا تھا، جیسے قید بامشقت، اِدھر صدف ماں بھی تھی اور باپ بھی۔ پیسے سے تو آسودہ ہو گئے تھے پر سکون سے عاری۔۔۔ ایسے میں وقت کو دھکا دیتے دونوں میاں بیوی زندگی کی گاڑی رواں رکھے ہوئے تھے۔

ہر دو سال میں فیصل گھر کا چکر لگا آتا تھا، مگر وطن سے واپس آنے پر وہ مضطرب اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ یوں ہی وقت پَر لگا کر آڑے جا رہا تھا۔ فیصل کو پردیس آئے دس سال ہونے کو آئے تھے۔
اس بار وہ گڑیا کی سالگرہ پر وطن جا رہا تھا۔ فیصل کی ٹیکسی گھر رُکی تو صدف نے پرتپاک استقبال کیا پر بچوں کو غیر موجود پا کر فیصل نے سوال کیا تو صدف ٹال گئی۔ "سب یہیں ہیں، آپ فریش ہو جائیں تو سب کھانے پر ملتے ہیں۔" صدف نے بات بنائی۔
"ممّا! یہ کیا ٹنڈے پکا لیے آپ نے؟" رمیز برا سا منہ بناتے ہوئے کھانے کی ٹیبل پر سے اٹھ گیا، ساتھ گڑیا بھی باہر سے کچھ آرڈر کرنے کمرے میں چلی گئی۔ بچوں کی یوں بد تہذیبی دیکھ کر فیصل دم بخود رہ گیا۔
"بچے ہیں، آپ کھائیے!" صدف نے اپنے طور سے بات بنانے کی کوشش کی۔
"بس اب یہ آ گئے ہیں، اب لوکی ڈنڈے ہی پکیں گے اس گھر میں۔" رمیز نے زور سے بال دیوار میں مارتے ہوئے کہا۔
"پتا نہیں یہ آتے ہی کیوں ہیں؟ ابھی لیکچر دینے بیٹھ جائیں گے۔" رمیز نے گڑیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا زنگر آرڈر کروں یا پیزا جلدی بتاؤ۔" گڑیا نے فون ہولڈ پر رکھتے ہوئے رمیز سے پوچھا۔
"میں تو زنگر کھاؤں گا۔" رمیز نے جواب دیا۔
"ایک زنگر اور ایک فاجیتہ لارج وِد کولڈ رنگ۔" گڑیا نے آرڈر پلیس کر دیا۔

"گڑیا!" فیصل نے گڑیا کو آواز دے کر بلایا تو گڑیا پاس آ گئی۔
"بابا! اب میں بڑی ہو گئی ہوں، مجھے گڑیا نہیں کہا کریں۔ میرا نام عِشا ہے اور مجھے میرے دوست عیش کہتے ہیں، آپ بھی مجھے عیش کہا کریں۔
گڑیا نے قدرے جھنجھلاہٹ سے کہا
"بیٹا! تم کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو جاؤ، رہو گی تو میری گڑیا ہی۔" فیصل نے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا تو گڑیا ناراض ہو گئی۔
"بابا میرا ہیر اسٹائل خراب ہوتا ہے۔ پلیز، یوں نہ کیا کریں۔"
"رمیز! میرا سوٹ کیس تو لاؤ بیٹا۔" فیصل نے رمیز کو آواز دی۔
سوٹ کیس کا نام سن کر رمیز دوڑ کر کمرے سے سوٹ کیس اٹھا لایا۔
"یہ لو بیٹا! الیکٹرونک ڈکشنری۔" فیصل نے ڈکشنری رمیز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
رمیز نے بے دلی سے ڈبا تھام لیا۔
"بابا! اس بار مجھے امپورٹڈ سائیکل دلا کر جائیے گا۔" رمیز نے فیصل سے کہا۔
"یہ لو گڑیا! تمہارے لیے خاص تحفہ۔" فیصل نے ایک بڑا سا ڈبا بڑھاتے ہوئے کہا۔
"بابا! یہ کیا مذاق ہے؟" عشا نے ڈبا کھولتے ہوئے کہا اور واپس کر دیا اور فیصل آب دیدہ ہو گیا۔
بچے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔
شام ہونے کو آئی تھی۔ فیصل نے رمیز کو کیک لانے کے لیے کہا تو گڑیا نے منع کر دیا۔
"بابا! میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام رکھا ہے۔ کیک ہم باہر ہی کاٹیں گے۔ آپ بس مجھے دس ہزار روپے دے دیں اور خدا کے لیے لیکچر نہیں دیجے گا۔" گڑیا کے بدلتے اطوار فیصل کو پریشان کر رہے تھے۔
"بابا! میری امپورٹڈ سائیکل کا کیا بنا۔" رمیز نے بھی لگے ہاتھوں سوال کر ڈالا۔
فیصل کچھ کہے بنا گھر سے باہر نکل گیا۔
"ارے فیصل بھائی! کب آئے؟" پرچون والے راشد نے سوال کیا۔
"بس کل ہی آیا ہوں۔ آپ سنائیں کیسا چل رہا ہے کاروبار؟" فیصل نے استفسار کیا۔
"الحمدللہ! بھائی کرم ہے مالک کا۔ کتنے دنوں کے لیے آئے بھائی؟" راشد نے جواب دیا۔
"بس یہ ہی کوئی ایک ماہ کی چھٹی ملی ہے۔" فیصل نے جواب دیا۔
"فیصل بھائی! برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں۔" راشد نے جھجھکتے ہوئے کہا۔
"راشد بھائی! بے جھجھک کہیے۔" فیصل نے کہا۔
"بھائی دراصل بات ایسی ہے کہ اپنا رمیز بڑا ہو رہا ہے، ایسے میں اسے آپ کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو وقت نکل جائے۔" راشد نے قدرے پریشانی سے کہا۔
"بھائی! آپ کھل کر بات کریں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" فیصل نے راشد کو مکمل بات بیان کرنے پر آمادہ کرتے ہوئے کہا۔
"دراصل بات یہ ہے کہ رمیز کی دوستی اچھے لڑکوں سے نہیں، وہ اسے خراب کر رہے ہیں، وہ نو عمر ہے، اسے آپ کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔" راشد نے فیصل کو بتایا تو اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔
فقط دس سال کا رمیز اور یہ حرکات اس رات فیصل کو نیند نہیں آئی۔ اس نے رمیز پر نظر رکھنی شروع کر دی، ساتھ بچوں کو وقت دینے لگا۔
چھٹیاں ختم ہونے کو آئی تھیں، فیصل نے واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا اور اپنے خاندان کی بہتری کے لیے اس نے وطن میں ہی کوئی چھوٹا کاروبار کرنے کی ٹھانی۔
وقت پَر لگا کر اڑا جا رہا تھا۔ گڑیا نے گریجویشن مکمل کر لیا تھا اور رمیز انٹر نمایاں نمبروں میں پاس کر چکا تھا اور فیصل کے کاروبار کو کس طرح مزید آگے بڑھایا جا سکتا ہے؟ مشورے دینے کے ساتھ اس کے شانہ بشانہ کھڑا تھا۔ فیصل اور صدف خوش اور مطمئن تھے۔ فیصل نے وقت پر صحیح فیصلہ کیا تھا۔

اللہ معنا

سیدہ حفصہ احمد

مومنہ اسلامیات کی کلاس میں داخل ہوئی تو سب نے اس کا استقبال کیا۔ ہادیہ نے اس کا نمبر لے کر اسے اپنے وٹس ایپ گروپ میں ایڈ کروا دیا۔ وہاں مومنہ کو پتا چلا کہ وہ سینئر کلاس میں چلی گئی تھی اور سینئرز کو بھی معلوم ہو گیا کہ مومنہ بیچلر کی طالبہ ہے، ماسٹرز کی نہیں۔۔۔ لیکن مومنہ اور ہادیہ کی اچھی دوستی ہو چکی تھی، جہاں کہیں ضرورت پڑتی وہ ہادیہ سے مدد لے لیتی۔ آہستہ آہستہ ان کی دوستی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک دن مومنہ پریشانی کے عالم میں ہادیہ سے کہنے لگی: "میں نے حجاب کرنا شروع کر دیا ہے، لیکن گھر میں اس طرح مجھے کوئی بھی قبول نہیں کر رہا۔ حجاب اتنا مشکل کیوں ہے؟" مومنہ کا لہجہ بہت دکھی تھا۔
ہادیہ دل سے خوش ہوئی کہ اس نے یہ قدم اٹھایا ہے اور وہ پہلے دن کو یاد کرنے لگی، جب اس نے مومنہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔
ہادیہ اسے مطمئن کرنے لگی: "آپ تو خوش نصیب ہیں میری بہنا، آپ کو اس پر اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور پریشان ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ احساس ہر ایک کو نہیں ہوتا، بس آپ اب ثابت قدم رہیں، مشکلات سے گھبرائیں نہیں اور یہ اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے، جتنا بڑا مسئلہ لوگ اسے بنا لیتے ہیں۔"
مومنہ ہادیہ کو بتانے لگی: "میں پہلے بالکل بھی پردہ نہیں کرتی تھی۔ اب جب اسکارف کر کے جاتی ہوں تو لوگ باتیں بناتے ہیں۔ ایسے گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ میں پہلے دن جب یونیورسٹی میں آئی کتنی مختلف تھی، مگر اب میں چاہتی ہوں، جو پڑھا ہے اس پر عمل بھی کروں۔"
ہادیہ نے جواب دیا: آپ جو سوچ اب رکھتی ہیں، اس پر میں آپ کی کن الفاظ میں تعریف کروں مگر صرف اتنا کہوں گی کہ آپ نے لوگوں کی پروا نہیں کرنی۔
"دراصل میں اس لیے پریشان ہوں کہ میرے گھر کے لوگ ہی مجھ پر طنز کے تیر چلا رہے ہیں۔ میری آپی بھی ڈانٹ رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ ممانی تمہارے بارے میں ایسے ایسے کہہ رہی تھیں اور اب میں اس طرف آ چکی ہوں تو واپس پیچھے کیسے ہٹوں؟ میرا دل نہیں مانتا میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گی؟"
"ہادیہ: جب انسان اللہ کے راستے پر چلنے لگتا ہے ناں تو مشکلات اور آزمائشیں آتی ہیں۔ شیطان رکاوٹیں ڈالتا ہے۔"
آپ رب کے راستے پر کھڑی ہیں، آپ نے وہ راستہ چننے کی کوشش کی ہے، جو صراط مستقیم ہے۔ ڈٹ کر کھڑی ہو جائیں اس پر، ڈر اور خوف نکال دیں۔ دنیا کیا کہتی ہے؟ اس کی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔ اب بس یہ ذہن میں رکھیں کہ میرے ساتھ میرا رب ہے اور مجھے اس دنیا میں رب کے سوا کسی کا ساتھ نہیں چاہیے۔
مومنہ اب کچھ مطمئن ہو گئی تھی، مگر وہ موجودہ صورتِ حال سے اسے آگاہ کر رہی تھی کہ مجھے ابھی شادی میں جانا ہے اور گھر والے کہہ رہے ہیں کہ پہلے کی طرح تیار ہو کر چلو تو میں نے جانے سے انکار کر دیا۔
ہادیہ مسکرائی اور کہا: "اگر آپ کے گھر کی قریبی شادی ہے تو آپ شادی میں ضرور جائیں اور اسکارف بھی کریں، کوئی اعتراض کرے تو کہہ دیں اسی حالت میں لے کر چلنا ہے تو لے چلیں، ورنہ میں گھر پر ہی رہوں گی، پھر دیکھنا کیسے لے کر جاتے ہیں۔" ہادیہ اور مومنہ مسکرانے لگیں۔
ہادیہ پھر سے گویا ہوئی: تقریب میں کوئی کچھ کہے تو خاموش رہیں۔ مَنْ صَمَتَ نَجَا (جو خاموش رہا، اس نے نجات پائی) آپ نارمل رہیں، جیسے رہتی ہیں، بس آپ نے وہ کام نہیں کرنا، جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔
مومنہ یہ سن کر اداس سی ہو گئی اور کہنے لگی کہ پہلے ہر تقریب میں بال کھولنا، کزن وغیرہ کی شادیوں میں ڈانس کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس پر مجھے افسوس ہے کیسا تھا میرا ماضی!! اللہ تعالیٰ مجھ سے کتنا ناراض ہوں گے؟
ہادیہ: ہم گناہ گار تو ہوئے ہیں، ایک بال کسی نامحرم کو دکھنے پر پتا نہیں کتنا دوزخ کا عذاب ہمیں جھیلنا ہو گا؟ لیکن پچھلے گناہوں پر معافی مانگی، ندامت و شرمندگی جو دل میں ہے یہ اس بات کی ہی علامت ہے کہ اللہ چاہتے ہیں کہ آپ اس کی طرف لوٹیں، آپ نے رب تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا، اسے نبھانے کی کوشش کریں تو گناہوں کی معافی پکی ہوتی ہے، جب ندامت دل میں ہو تو بس توبہ کا ایک مکھی کے سر جتنا آنسو بھی اللہ کے عرش کو ہلا دیتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔
ہادیہ، مومنہ کو بتانے لگی کہ میں بھی ابھی تقاریب میں صرف اسکارف کرتی ہوں، بہت سے لوگوں نے اب اسکارف کرنا شروع کر دیا ہے، اب تو اسکارف کا فیشن اور ٹرینڈ بھی ہے، مگر ہمیں نیت خالص رکھنی ہے، یعنی رب کی رضا!!
مگر اب بھی کچھ ایسے لوگ ہیں کہ اگر انھیں شادی کی تقریب میں کوئی اسکارف والی نظر آ جائے تو کہتے ہیں: کیا یہ قرآن خوانی میں آئی ہے؟ اس طرح کے تیر برساتے ہوئے شاید وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان سے بے خبر ہے، مگر ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تکالیف برداشت کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں تو یہ کہہ سکیں کہ اللہ صرف آپ کے لیے یہ کڑوی کسیلی باتیں برداشت کیں اور پھر اس پر بے انتہا اجر دیکھ کر دل شاد ہو جائے۔
ہادیہ مومنہ کو پہلی ملاقات یاد دلانے لگی:
یاد ہے جب آپ ہماری کلاس میں غلطی سے آ گئیں تھیں، تب میں خود وہاں نئی تھی، لیکن میں نے سوچا تھا جلد ہی ہم سب مل کر آپ کو اپنے جیسا بنا لیں گے۔
لیکن جب پتا چلا کہ آپ ہماری کلاس کی نہیں ہیں، تب مجھے دکھ ہوا۔ میں نے چاہا تھا کہ آپ کو ہماری کلاس میں ہونا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس خواہش کو پورا کر دیا اور آپ نے بھی اس راستے کو چن لیا۔
بس دل میں یہ تڑپ آ گئی ہے تو اپنی بات پر قائم رہیں، ہمیں اس سے آگے تو جانا ہے، مگر پیچھے نہیں ہٹنا! اللہ معنا (اللہ ہمارا مددگار ہو)۔
مومنہ کو ہادیہ سے بات کر کے اطمینان محسوس ہونے لگا، وہ اپنے آپ میں ایک ایمانی قوت محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کو اللہ پاک نے ظاہری اور باطنی دونوں کے حسن و جمال سے مالا مال کیا۔ آپ ﷺ سے جو بھی ایک بار ملتا آپ ﷺ کو پیار محبت اور عقیدت سے دیکھتا چلا جاتا۔ آپ ﷺ کا قد متوسط، رنگ سرخ مائل سفید تھا۔ کشادہ پیشانی، بھویں باریک گھنی اور دراز تھیں۔ دندان روشن اور چمک دار تھے۔ سر اور داڑھی کے چند بال سفید تھے جو آپ پر بہت جچتے تھے۔ آپ ﷺ کو سفید رنگ بہت پسند تھا۔ سفید لباس میں آپ بلند ترین مرتبے پر دکھائی دیتے تھے۔

آپ ﷺ مجلس میں ہمیشہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے، جب خاموش ہوتے تو اور بزرگی ظاہر ہوتی، جب بات کرتے تو لطف و نزاکت ظاہر ہوتی۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں مٹھاس تھی۔ سننے والے غور سے سنتے اور سنتے چلے جاتے۔ آپ ﷺ کے چہرے پر تبسّم کے آثار نمایاں رہتے۔ ایک مرتبہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے پاس ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی۔ اُس نے سوال کیا: ”یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا میں بوڑھی عورت جنت میں جاسکوں گی؟“ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بوڑھی عورت جنت میں نہیں جا سکیں گی۔“ وہ عورت روتی ہوئی چلی گئی۔

آپ ﷺ نے اس عورت کو پھر بلوایا اور فرمایا: ”جنت میں ہر بوڑھی عورت جوان ہو کر جائے گی۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسکرا دیے اور وہ عورت ہنسنے لگی۔ آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ کرتے۔ محفل میں اگر کوئی شخص غافل ہوتا تو آپ ﷺ خاص توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی ہر شخص پر خصوصی محبت ہوتی اور اکرام کا برتاؤ فرماتے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو حضور ﷺ کا پیارا سمجھتا۔ آپ ﷺ کسی کے منہ پر ایسی بات نہ کرتے جو اس کو ناگوار گزرے، جو آپ ﷺ سے ملتا خوش خوش جاتا۔

آپ ﷺ بے ادبوں کے ساتھ عفو و در گزر سے پیش آتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے۔ ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے فقرا کو دوست رکھتے۔ کسی فقیر کو اس کی فقیری کی وجہ سے کم تر اور حقیر نہ سمجھتے اور نہ بادشاہوں سے اس کی بادشاہی کے سبب ہیبت کھاتے۔

آپ ﷺ پڑوسیوں کی خبر گیری رکھتے اور مہمان کا اکرام فرماتے۔ نعمتِ الٰہی اگرچہ کتنی چھوٹی کیوں نہ ہو، وہ بڑی سمجھتے۔ کسی کھانے میں عیب نہ دھرتے۔ لوگوں سے خوش دلی سے ملتے۔

آپ ﷺ سادہ مزاج تھے، پاپوش مبارک خود سی لیتے۔ کپڑے اگر پھٹ جاتے تو خود پیوند لگا لیتے۔ کھانے کی ہر شے پر آپ ﷺ اپنے رب کا شکر ادا کرتے۔

آپ ﷺ اونی کپڑے پہنتے اور پائے مبارک میں جوتا سلا ہوا ہوتا۔ بہترین جامہ آپ ﷺ کے نزدیک قمیض یا کُرتا تھا۔ آپ ﷺ خوش بو کو پسند فرماتے اور بدبو کو ناپسند فرماتے۔ آپ ﷺ مشک استعمال فرماتے۔ آپ ﷺ سرمہ لگاتے۔ داہنی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں میں دو لگاتے۔ ہمارے نبی ﷺ کا چہرۂ مبارک بہت روشن تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی روشنی میں زمین پر پڑی سوئی مل جاتی تھی۔“

مشکل الفاظ

متوسط	درمیانہ
دراز	لمبی
دندان	دانت
تبسّم	مسکراہٹ
ہیبت	ڈرنا

مشکل الفاظ

مجلس	محفل
قبلہ رخ	کعبے کی طرف
نمایاں	ظاہر
پاپوش	لباس
پائے	پاؤں

پریشانی کا وقت

تنزیلہ یوسف

رات کے کھانے کے بعد امی جان نے عکاشہ، زینب اور حمزہ سے مسنون دعائیں سنیں اور تینوں کو سونے کی ہدایت کرتی کمرے سے چلی گئیں۔ اچانک ہر چیز ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ امی جان جلدی سے واپس آئیں اور عکاشہ کو گود میں اٹھالیا۔ ”زینب، حمزہ آپ بھی جلدی سے باہر آؤ!“ ابو جان اور دادا جان بھی گھبرا کر باہر صحن میں نکل آئے۔ سب لوگ بلند آواز سے کلمہ پڑھنے لگے۔ ذرا سی دیر میں زلزلہ اپنے اگلے مقام کی طرف بڑھ گیا۔ ”بچو! زلزلہ اور دوسری آفات اللہ کی جانب سے آتی ہیں۔ اس دوران زیادہ سے زیادہ کلمہ پڑھنا چاہیے۔ اس سے دل کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔ کھلے میدان یا پھر گھر کی حدود میں کھلی جگہ پر آ جانا چاہیے۔“ ابو جان نے بتایا۔ وہ سب صحن میں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ گلی میں پڑوسیوں کے گھبراہٹ کے عالم میں اپنے اپنے گھروں سے باہر اور پھر گھروں کے اندر جانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”قرآن کریم کی سورۃ الزلزال میں قیامت کے آنے پر کیا کچھ ہو گا؟ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

ابو جان نے بچوں کو بتانا شروع کیا۔“

”ابو جان! قیامت آنے پر کیا ہو گا؟“ حمزہ نے پوچھا۔

”یہی سب جو ابھی کچھ دیر پہلے ہوا۔“

اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَهَا ترجمہ: جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔

وَاَخرَجَتِ الاَرضُ اَثقَالَهَا ترجمہ: اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال پھینکے گی۔ اس روز افراتفری کا منظر ہو گا۔ نیک لوگوں کو اپنی اچھائیوں کے بدلے میں دل کا اطمینان ملے گا۔ یہ لوگ دوسروں کی طرح گھبرائے ہوئے نہیں ہوں گے۔ نیک لوگ پل صراط پر سے بھی آرام سے گزر جائیں گے۔ پل صراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز دھار والا ہو گا۔ جس طرح دو پہاڑوں کو ملانے کے لیے پل بنا دیا جاتا ہے۔ نیچے خواہ دریا ہو یا گہری کھائیاں، پل کی مضبوطی کی وجہ سے لوگ اپنی سواریوں سمیت اس پر سے آرام سے گزر جاتے ہیں۔ اسی طرح نیک اور برے لوگوں کو ان کے اچھے یا برے اعمال کے نتیجے میں اس پل پر سے گزارا جائے گا۔ ہمیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن کر رہنا چاہیے تاکہ پل صراط پر سے گزرنا

آسان ہو اور صلے میں جنت ملے۔“ بات مکمل کر کے ابو جان نے بچوں کو نصیحت کی اور سونے کے لیے جانے کو کہا تاکہ صبح نماز اور اسکول کے لیے اٹھنا ممکن ہو۔

سپر ہیروز

جنگجو سپاہی

بنتِ تاجور

پیارے بچو! آپ نے سُپر مین، اسپائیڈر مین اور ٹارزن کی جرات و بہادری کے قصے کہانیاں تو بہت سن رکھے ہوں گے۔ مگر یہ سب جھوٹے اور خیالی کردار ہیں۔ ہمارے اصلی اور حقیقی ہیرو تو ہمارے پیارے نبی ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ تاریخِ اسلام جن کے روشن واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ وہ جو بہت نڈر بے خوف، بہادر، شجاع اور رسول اللہ ﷺ کے سچے جاں نثار تھے۔ آیئے ان مجاہدوں کے بارے میں جانتے ہیں۔ جو اللہ کے علاوہ نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی کے آگے جھکتے تھے۔

یہ ایک وسیع و عریض باغ تھا۔ جس کی فصیلیں (دیواریں) بہت اونچی اور زرخیز (ہری بھری) تھیں۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب نے اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ اس باغ میں پناہ لینے کے بعد اس کے دروازے اندر سے بند کر لیے اور اس کے ساتھی باغ کی اونچی دیواروں کے پیچھے خود کو محفوظ کر کے مسلمانوں کے اوپر تیروں کی بارش برسانے لگے۔ اس وقت پیارے نبی ﷺ کے ایک نڈر اور بہادر صحابی نہایت بے جگری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر آگے بڑھے اور مسلمان سپاہیوں سے کہا آپ مجھے ڈھال پر بٹھا کر باغ کے اندر پھینک دیں۔ دھان پان سی جسامت کے مالک یہ صحابی رسول ﷺ فوراً چوکنا ہو کر ایک ڈھال پر بیٹھ گئے۔ سپاہیوں نے دس نیزوں کی مدد سے اس ڈھال کو اوپر اٹھالیا اور اچھال کر باغ کے اندر پھینک دیا۔ یہ سپاہی اللہ کا عذاب بن کر ان دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جو ہزاروں کی تعداد میں اس باغ میں پناہ لے چکے تھے۔ انہیں بے دریغ قتل کرتے ہوئے بہادری اور بے باکی سے لڑتے لڑتے مرکزی دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اکیلے ہی اپنی تلوار سے نبوت کا دعویٰ کرنے والے جھوٹے اور بدبخت کے کئی ساتھیوں کی گردنیں تن سے جدا کیں اور باغ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمان، مسیلمہ کذاب کی فوج پر حملہ آور ہو گئے، جو دیواروں کے پیچھے چھپے بیٹھے ہوئے تھے، ان سب قتل کر دیا۔ کم و بیش بیس ہزار مرتدین کو قتل کر کے مسلمان مجاہدین جھوٹے مسیلمہ کذاب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور پھر اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اس وقت اس مردِ مجاہد حضرت بَراء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن پر تلواروں اور تیروں کے ۸۰ سے زائد زخم تھے۔ یہ باغ تاریخ میں حدیقۃ الموت یعنی موت کا باغیچہ کے نام سے مشہور ہوا، کیوں کہ اس باغ میں ہزاروں مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

ان جنگجو صحابی کو اٹھا کر خیمے میں لایا گیا۔ اپنے اس نڈر اور بہادر سپاہی کے زخموں کا علاج کروانے کی غرض سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابی رسول ﷺ کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔

یہ صحابی رسول ﷺ بکھرے ہوئے بالوں، گرد آلود چہرے، دبلی پتلی جسامت اور عام سی شکل کے مالک تھے مگر نڈر اور بہادر ایسے تھے کہ تن تنہا مقابلہ کرتے ہوئے سو مشرکوں کو اپنی تلوار سے کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ ان جنگ جو سپاہی اور صحابیٔ رسول ﷺ کا نام حضرت بَراء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے اور خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ مدینہ سے کچھ عرصہ قبل یا بعد ایمان لے آئے تھے۔

حضرت بَراء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ بدر میں حصہ لینے سے محروم رہ گئے تھے مگر جنگِ اُحد سے لے کر جنگِ تبوک تک ہر لڑائی میں انہوں نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

آپ بڑے نڈر، فن سپہ گری میں ماہر، بے جگری سے لڑنے والے مجاہد اور نہایت بہادر انسان تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ شہادت کا شوق اپنے دل میں بسائے رکھتے تھے۔ باغیچۂ موت میں بھی شہادت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شہادت حاصل کرنے کے لیے وہ جنگوں میں شریک ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ سرزمین فارس میں جنگِ تستر لڑی گئی۔

حضرت بَراء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت و بہادری کے بہت سے واقعات ہیں۔ ہم آپ کو ان کی بہادری کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ سناتے ہیں

جب فارسی فوج ایک مضبوط ترین قلعہ کے اندر مورچہ بند ہوگئے۔ تب مسلمانوں نے ایران کے شہر تستر کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے گرد گھیرا تنگ کرتے چلے گئے ادھر

مسلمانوں کی جانب سے محاصرہ بڑھتا چلا گیا تو قلعے کے اندر بیٹھی فارس فوج بری طرح پریشان ہو گئی، تو اس نے گھیرا توڑنے کے لیے ایک ترکیب لڑائی اور وہ یہ کہ قلعے کی دیواروں پر لوہے کی زنجیروں کو بڑی احتیاط سے لٹکا دیا۔ ان زنجیروں کے سروں سے لوہے کی کنڈیاں آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح دہکائی گئی تھیں، تاکہ وہ قلعے کی دیواروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مسلمان مجاہدین کے جسموں میں دھنس جائیں۔ اور پھر انہیں زندہ یا مردہ حالت میں اوپر اٹھا لیا جائے۔

ان میں سے ایک گرم کھولتی ہوئی کنڈی براء بن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن میں دھنس گئی۔ یہ دیکھتے ہی حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجلی کی طرح آگے بڑھے اور اپنے بھائی کو اوپر کھینچتی اس بے رحم زنجیر کو پوری طاقت سے پکڑ لیا۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کو اس زنجیر سے آزاد کرنے میں لگ گئے اور انہیں چھڑا کر ہی دم لیا۔ مگر اس دوران ان کے دونوں ہاتھ بری طرح جھلس گئے، ہاتھوں کی ساری کھال اتر گئی، صرف ہڈیوں کا ڈھانچا باقی رہ گیا۔

انہیں شہادت پانے کی سخت تمنا تھی نا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا قبول کر لی۔ حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بے مثال بہادر اور جنگجُو صحابیٔ رسول ﷺ نے دورِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جنگ تستر کے موقع پر شاہِ ایران یزد گرد کے سپہ سالار ہرمزان کے ہاتھوں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ رضی اللہ عنہ

انڈے کہاں گئے؟

سائرہ شاہد

"اماں! آج بھی انڈے نہیں ہیں۔" افروز نے ڈربے کے اندر جھانکتے ہوئے آواز لگائی۔

"ہائے ہائے! ایسے تو نہ بول، بُرہان تُو جا کر دیکھ ذرا۔" اماں نے دُہائی دیتے ہوئے بُرہان کی بازو سے پکڑ کر کہا۔

"دیکھتا ہوں اماں!" یہ کہتے ہوئے بُرہان اُٹھا اور ڈربے میں جھانکنے لگا۔

"دیکھ لو بھائی! سچی کچھ بھی نہیں ہے۔" بُرھان ڈربے میں جھانکنے لگا تو افروز نے اپنی سچائی ثابت کرتے ہوئے کہا۔

"اماں! افروز ٹھیک کہہ رہا ہے، آج بھی انڈے غائب ہیں۔" بُرہان نے دوبارہ آواز لگائی۔

"ہائے وے! کہاں چلے جاتے ہیں؟ وے افروز تو نے بچ تو نہیں دیے؟" اماں نے افروز کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

"اماں، چھوڑیں اماں! میں نے نہیں بیچے۔" افروز نے اپنی گردن چھڑائی تو بُرہان کی شامت آ گئی۔

"وے! تو نے نہیں چوری کیے؟"

اماں نے اُس کے کندھوں سے پکڑ کر ڈربے کے پاس سے اٹھایا۔ "نہ اماں! میں آپ کو چور نظر آتا ہوں؟"

بُرہان نے اُلٹا سوال کیا تو اُنھوں نے اُس کو چھوڑا اور چارپائی پر بیٹھ کر دونوں کو گھورنے لگیں۔

سات سالہ افروز اور نو سالہ بُرہان ایک کسان عبدالرحیم کے بیٹے تھے۔ عبدالرحیم سیدھا سادھا انسان تھا اور صرف کھیت کی فکر میں لگا رہتا، جب کہ اُس کی بیوی اپنے بچوں سے بہت پیار کرنے والی، لیکن اپنے اصولوں کی پکی تھی۔ اُس نے مرغیاں پال رکھی تھیں اور انڈے بیچ کر بچوں کی چھوٹی موٹی ضروریات کو پورا کرتی، اگر کوئی مرغی انڈہ نہ دیتی تو ایک دو انڈے ہی کم ہوتے، لیکن تیسرا دن تھا کہ ڈربے میں انڈوں کا نام و نشان تک نہ ملا۔

"وے بُرہان! تجھے کیا لگتا ہے کہ انڈے کدھر چلے جاتے ہیں؟"

اماں نے سبزی بناتے ہوئے پُر تشویش لہجے میں سوال کیا تو بُرہان کا حلق تک خُشک ہو گیا۔

"مجھے کیا پتا اماں؟ چور کے ساتھ میری ساجھے داری تو نہیں کہ مجھے پتا ہو۔"

اُس نے جلدی سے جواب دیا کہ کہیں شک کی بنا پر اس کی چھترول ہی نہ ہو جائے۔

"افروز، بات سُن!" بُرہان نے سرگوشی کر کے افروز کو پکارا جو کتاب پر جُھکا ہوا تھا۔

"بھائی! پڑھنے دیں، ورنہ اماں مارے گی مجھے۔" افروز نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں مارے گی۔۔۔ تو کتاب کی طرف دیکھ کر ہلتا رہ میری طرح۔"

بُرہان نے اپنی کتاب پر نظریں جما کر ہلتے ہوئے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سبق پڑھ رہا ہے، افروز نے اُس کی طرف دیکھا تو تھی کھی کر کے ہنسنے لگا۔

"سچ بتا تو نے انڈے چوری کیے؟" بُرہان نے سوال کیا تو افروز نے صدمے کے مارے اُس کی طرف دیکھا۔

"بھائی! میں نے چوری نہیں کی، میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اُس نے جواب دیا تو اماں نے کمرے کے اندر آتے اُس کی بات سنی۔

"یار! پھر ہمارے انڈے گئے کہاں؟" بُرہان نے بڑے بوڑھوں کی طرح فکر مندی کا اظہار کیا۔

"بھائی! ہمارے نہیں، مرغیوں کے انڈے۔"

افروز نے ہنستے ہوئے اس کی تصحیح کی تو بُرھان بھی ہنسنے لگا، جب کہ اماں جو کمرے میں آ رہی تھیں اُن کی باتیں سُن کر مسکراتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

"اماں! انڈے نہیں ہیں۔" آج پھر افروز ڈربے میں جھانک رہا تھا اور انڈے غائب تھے۔

"اماں! کل ہم چور کی جاسوسی کریں گے۔ آپ فجر کے وقت جاگیں تو ہمیں بھی جگا دینا، ہم پہرہ دیں گے۔" بُرہان نے تجویز دی تو اماں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی جاننا چاہتی تھیں کہ آخر اُن کے گھر سے انڈے کیوں گم ہو جاتے ہیں؟

"ہاں بھائی! مل کر جاسوسی کریں گے اور چور کو سزا دیں گے۔" افروز نے جوش سے کہا اور کل کی جاسوسی کے بارے میں سوچنے لگا۔

"آ گئی میری بچی؟" اُس نے جھونپڑی میں قدم رکھا تو ایک کپکپاتی ہوئی، لیکن شفیق آواز نے اُس کا استقبال کیا۔

"جی بابا! ہم آ گئے۔ صرف ایک دن کا انتظار، پھر آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" اُس نے بابا کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے کہا اور سانس درست کرنے لگی۔

"آج زیادہ تھک گئی ہو، بہت دور تک چل کر جاتی ہو۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میرے لیے اتنی تکلیف نہ اُٹھاؤ۔" بابا نے اُسے تھکے ہوئے دیکھ کر فکر مندی ظاہر کی تو وہ اُداس ہو گئی۔

"آپ نے ہمارے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کی اور ہم آپ کے لیے تھوڑی سی محنت بھی نہ کریں؟" اُس نے ناراض لہجے میں کہا تو بابا ہنسنے لگے اور پھر اُن کو کھانسی شروع ہو گئی۔

"بابا رُکیے! ہم دوا دیتے ہیں۔" وہ جلدی سے اُٹھ کر دوا کی سمت بھاگی، جسے بڑی مشکل سے لائی تھی۔

"آج سارے انڈے رکھے ہیں۔" بُرہان نے فجر کے وقت ڈربے میں جھانکتے ہوئے اطلاع دی۔

"چور ہمارے ڈر سے بھاگ گیا ہو گا بھائی!" افروز چہکتے ہوئے بولا۔

"وے! تم دونوں یہاں نہ بیٹھو، بلکہ کمرے میں چُھپ کر ڈربے کی طرف دیکھتے رہو۔ آخر پتا تو چلے کس نے ہمارا نقصان کیا؟" اماں نے اُن دونوں سے کہا تو وہ دونوں کمرے کی طرف بھاگے اور اماں اپنے کام میں لگ گئیں۔ وہ دونوں ڈربے کے دروازے پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔

"بھائی! چور ہمارے گھر میں کیسے آتا ہو گا؟"

افروز نے سوال کرتے ہوئے بُرھان کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھیں پوری کھُلی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی منہ بھی کھُلا ہوا تھا۔

"بھائی! کیا ہوا؟" افروز نے اُسے ہلایا تو اُس نے تھوک نگلتے ہوئے ڈربے کی طرف اشارہ کیا۔ ڈربے کے قریب کسی کو دیکھ کر افروز تیزی سے بھاگا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بُرہان بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا گیا اور افروز کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا۔۔۔ تو تم ہو انڈے چور۔" افروز نے غصے سے کہا تو وہ سہم گئی اور دو انڈے جو اُس کے ہاتھ میں تھے، اُنھیں مضبوطی سے تھاما اور چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

وہ چمک دار سنہری بالوں اور خوب صورت آنکھوں والی بہت چھوٹی سی لڑکی تھی، اُس نے ہلکے گلابی رنگ کی فراک پہنی ہوئی تھی، لیکن اُس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔

"افروز! یہ تو بہت چھوٹی ہے، ایسے لگتا ہے کہ انسان نہیں ہے۔" بُرہان نے سمجھ داری سے کہا۔

"یہ چڑیل ہے بھائی! چورنی چڑیل۔" افروز اب بھی اُس لڑکی کو غصے سے دیکھ رہا تھا۔

"ہم۔۔۔ چ۔۔۔ چورنی چڑیل نہیں ہیں۔۔۔ ہم۔۔۔ ڈولی ہیں۔" لڑکی نے کہا تو وہ دونوں اُس کے قریب چوکڑی مار کر بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھنے کے باوجود بھی وہ اُن سے چھوٹی لگ رہی تھی اور اُنھیں سر اوپر کر کے دیکھ رہی تھی۔

ہماری مرغیوں کے انڈے کیوں چُراتی ہو؟" بُرہان نے نرمی سے سوال کیا تو وہ بُرہان کی طرف منہ کر کے کچھ قدم چلی اور اُس کے قریب جا کر رُک گئی۔

"ہم بونستان کی شہزادی ہیں اور ہمارے بابا بہت بیمار ہیں۔ چوری کرنا ہماری مجبوری تھی، کیوں کہ آپ کا گھر ہمارے دیس کے قریب ہے۔ یہ انڈے ہمارے بابا کی دوا ہیں اور ہم چور نہیں ہیں، اب ہمیں جانے دیں۔" ڈولی نے بُرہان کو آس بھری نظروں

سے دیکھتے ہوئے التجا کی۔

"ہاں، تم چور نہیں ہو، بلکہ چورنی ہو۔" افروز کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"افروز! اُس بے چاری کی مجبوری ہے، اُس کے بابا بیمار ہیں۔" بُرہان نے اپنے بھائی کو سمجھاتے ہوئے کہا تو ڈولی کی جان بخشی ہوئی۔

"ٹھیک ہے آیندہ چوری مت کرنا، سمجھی!" افروز نے رُعب سے کہا تو ڈولی نے مُسکرا کر سر ہلایا اور جلدی سے وہاں سے بھاگ گئی۔

باری باری وہ سارے انڈے لے گئی اور دونوں بھائی اُسے توجہ سے دیکھتے رہے۔

"اماں! وہ ایک چھوٹی سی بونی تھی، اُس نے کہا کہ وہ شہزادی ہے اور آیندہ چوری نہیں کرے گی۔" بُرہان نے صفائی پیش کی، تاکہ اماں غصہ نہ کریں۔

"اچھا بونے بھی چور ہوتے ہیں؟ اور ہمارا ہی گھر ملا تھا انڈے چرانے کے لیے؟" اماں نے انڈوں کا افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اماں! اُس کے بابا بیمار تھے، اس لیے ہم نے جانے دیا۔" افروز نے بھی باتوں میں حصہ ملایا۔

"اوہ! پھر کوئی بات نہیں، بے چاری کی مجبوری ہو گی۔ تم دونوں نے اچھا کیا کہ اُسے جانے دیا۔" اماں نے خوش دِلی سے کہا تو وہ دونوں بھی خوش ہو گئے۔

"بابا! ہم نے اُن بچوں کے گھر چوری کر کے غلط کیا نا؟ ہمیں اُن سے معافی مانگنی چاہیے۔" ڈولی نے کہا۔

"ہاں بیٹی! تم ضرور اُن سے بات کرو۔" بابا نے کہا تو ڈولی نے چٹکی بجائی اور افروز کے گھر پہنچ گئی۔ افروز اور بُرہان کمرے میں بیٹھے پڑھ رہے تھے۔

"افروز! افروز!" ڈولی نے آواز لگائی۔

"جی بھائی!" افروز نے بُرہان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور پھر سے آواز آنے لگی۔

"ہم ڈولی ہیں، یہاں نیچے دیکھیں۔" ڈولی نے کہا تو اُن دونوں نے نیچے دیکھا اور چارپائی سے اُتر کر اُس کے قریب بیٹھ گئے۔

"تم پھر سے چوری کرنے آئی ہو؟" افروز نے پوچھا تو اُس نے سر جُھکا لیا۔

"چُپ کرو افروز! ہاں ڈولی بتاؤ اور بھی انڈے چاہییں؟"

بُرہان نے افروز کو ڈپٹا اور پھر ڈولی سے سوال کیا۔

"نہیں آج ہم آپ دونوں سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ آپ یقین کیجیے، اگر بابا کے علاج کے لیے جادو کا استعمال کرتے تو وہ کبھی ٹھیک نہ ہوتے، کیوں کہ ایک بُری جادوگرنی نے اُنھیں بیمار کیا تھا۔ ہماری مجبوری تھی کہ ہمیں چوری کرنا پڑی۔" ڈولی نے کہا تو اُن دونوں نے اُسے معاف کر دیا۔ ڈولی نے چٹکی بجائی تو اُن کی چارپائی پھلوں سے بھر گئی۔

"واہ! تمہارے پاس جادو بھی ہے؟" بُرہان نے خوشی سے سوال کیا۔

"ہاں، جادو بھی ہے اور ہم جادوئی انڈے بھی بنا سکتے ہیں، لیکن بابا کو اُن انڈوں کی دوا کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے یہاں سے انڈے لینے کے لیے ہم پیدل چل کر آتے تھے اور دو دو انڈے اٹھا کر لے جاتے تھے۔" ڈولی نے بتایا تو اُن دونوں نے بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

ڈولی نے دوبارہ چٹکی بجائی تو دو مرغیاں ظاہر ہو گئیں۔

"یہ دونوں مرغیاں ہر روز دس دس انڈے دیں گی اور یہ آپ کی نیکی کا انعام ہیں۔ امید ہے کہ آپ دونوں آیندہ بھی مجبور لوگوں کی مدد کریں گے۔" ڈولی نے اُنھیں کہا تو وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہو گئے۔

"اب ہمیں جانا ہو گا، بابا ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے، فی امان اللہ!" ڈولی نے کہا تو اُن دونوں نے بھی اپنے ہاتھ ہلائے اور ڈولی چٹکی بجاتے ہی وہاں سے غائب ہو گئی۔

کہانیوں کا راز

محمد فیصل علی

دادا جان ہر رات ایک کہانی سنایا کرتے تھے۔ بہت ہی دل چسپ اور مزے دار کہانی! سب بچے کہانی سننے کے منتظر رہتے تھے۔ اشرف بھی انہی میں سے ایک تھا۔

"آخر دادا جان کے پاس یہ کہانیاں کہاں سے آتی ہیں؟"

چار سالہ اشرف روزانہ یہی بات سوچتا رہتا۔ ایک رات دادا جان کہانی سنا رہے تھے اور اشرف ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ ایسے میں اشرف کی نگاہیں دادا جان کی عینک پر جم گئیں، عین اسی وقت اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا: "اچھا، اب میں سمجھا! یہ کہانیاں اس عینک کا کمال ہیں۔ یہ عینک ہی ہے جو دادا جان کو ساری کہانیاں سناتی ہے، میں بھی اسے پہن کر دیکھوں گا۔"

وہ دل ہی دل میں سوچتا جا رہا تھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی، پھر اگلے دن اسے عینک لگانے کا موقع مل ہی گیا۔ اس نے پُرجوش ہو کر سب بچوں کو بلایا کہ آؤ تمھیں کہانی سناؤں، سب بچے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ تب اس نے عینک آنکھوں پر جمائی اور سرگوشی کی: "پیاری عینک! مجھے اچھی اچھی کہانی سناؤ۔"

مگر عینک تو چپ چاپ پڑی رہی۔ اس دوران اشرف کو کوئی کہانی بھی نہ سوجھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اشرف کی خوشی ختم ہو گئی اور اس کا چہرہ بھی مرجھا سا گیا۔ اِدھر سارے بچے اس پر ہنسنے لگے۔ اشرف پھر سوچ میں پڑ گیا، اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ دادا جان یہ ساری کہانیاں اس لیے سنا پاتے ہیں کہ ان کے بال سفید ہیں۔ اب اشرف بھاگا بھاگا گیا اور روئی دھننے والے انکل سے تھوڑی سی روئی لے کر آ گیا۔ اس نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر وہ روئی اپنے بالوں پہ لگائی اور انھیں سفید بنا لیا، پھر وہ آنکھوں پہ عینک سجا کر بچوں کے پاس پہنچ گیا اور بڑے طمطراق سے بولا: "بیٹھو، اب میں کہانی سنانے کے لیے تیار ہوں۔"

بچوں نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر وہ ہنسنے لگے۔ اُدھر اشرف نے سرگوشی کے انداز میں کہا: "سفید بالو اور پیاری عینک! اب تو مجھے کہانی سنا دو، تاکہ میں بچوں کو سنا سکوں۔"

مگر عینک کیا بولتی، وہ تو بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اب کی بار اشرف مایوس ہو گیا۔ اس نے عینک اتاری اور دادا جان کے کمرے میں رکھنے کے لیے چل پڑا۔ تب اس کے دوستوں میں سے فیروز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: "اشرف تم چھوٹے ہو نہ، اس لیے تمھیں معلوم نہیں کہ دادا جان کو اتنی ساری کہانیاں کیسے آتی ہیں، میں تمھیں بتاؤں؟"

"ہاں، بتاؤ دوست!" اشرف نے پریشان ہو کر کہا۔ اس دوران وہ دادا جان کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

"ان کی وجہ سے" اچانک فیروز نے کہا تو اشرف چونک گیا، اس نے دیکھا فیروز کی انگلی کتابوں والی الماری کی طرف تھی۔

"کتابوں کی وجہ سے؟" اشرف بے یقینی سے بولا۔

"ہاں، تم بھی میری طرح اسکول جایا کرو، وہاں سے لکھنا پڑھنا سیکھو اور پھر کہانیوں کی کتابیں پڑھو۔" فیروز نے کہا تو اشرف کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"اور سنو! کہانیوں کا ایک اور راز بھی ہے۔" فیروز مسکرایا۔

"وہ کیا؟" اشرف چونکا۔

"مشاہدہ، میرے دوست! اپنے اِرد گرد پیش آنے والے واقعات سے کہانی بنانا، جیسے میں نے تمہارے اس واقعے سے ایک کہانی سوچ لی ہے۔" فیروز بولتا چلا گیا۔

"ارے واہ! میرے واقعے سے، مجھے بھی سناؤ ناں۔" اشرف نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"ضرور، لیکن کچھ انتظار کرو۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ چند ہفتوں بعد فیروز اس کے پاس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک میگزین تھا۔ اس نے جھٹ سے میگزین کھولا اور اشرف کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے بھائی؟" اشرف چونکا۔

"تمہاری کہانی!" فیروز نے کہا تو اشرف اچھل پڑا۔ اس نے کہانی کے جلی عنوان میں سے اپنا نام پڑھ لیا تھا۔ وہ مکمل عنوان تھا: "اشرف نے سنائی کہانی۔" اب فیروز اشرف کو کہانی سنا رہا تھا جب کہ ننھا اشرف مسکراتا جا رہا تھا۔

فیرولینڈ

آخری قسط

احمد رضا انصاری

بہت سے لوگ یہی تصویر خریدنے کا لکھ چکے تھے۔اس دن زاہد موبائل لیے بیٹھا رہا تھا۔ میسجز میں بھی تصاویر کے آرڈرز ہی آئے تھے زیادہ تر۔۔۔

”تم بہت پیسوں کے مالک بننے والے ہو میرے دوست!“ اسکرین پر ہادی کا ٹیکسٹ نمودار ہوا۔ یقیناً وہ بھی زاہد کی وڈیو کے نیچے آئے تبصرے پڑھ رہا تھا۔

”یہ بہت محنت طلب کام ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی خواہش پوری کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔“ زاہد نے جواب دیا۔

”ارے نادان دوست! موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ سب کو الگ الگ تاریخ دو اور آرام سے پینٹنگ کر کے آرڈرز پورے کرتے رہنا۔ کہو تو میں تمہارا مینیجر بن جاتا ہوں؟“ ہادی بہت پُرجوش تھا۔

”بچوں کا کھیل نہیں ہے مصوری!! اس چھوٹی سی تصویر کو بنانے میں مجھے ہفتہ لگ گیا تھا۔“ زاہد نے جواب دیا۔

”اب مغرور تو ہو گے نا!! آخر بیٹھے بٹھائے شہرت جو مل گئی۔ کاش! یہ جادو میری انگلیوں میں بھی ہوتا۔“ ہادی نے گویا دوسری طرف ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”یہ خداداد صلاحیت ہے، ہر کسی کو کیسے مل سکتی ہے؟“ زاہد نے مسکراتے ہوئے لکھا۔

”یہ بات بھی صحیح کہی۔۔۔“ ہادی جھٹ متفق ہوا۔

”اچھا تم اپنی تصویر کسے فروخت کرو گے، خواہش مند تو اَن گنت ہیں جبکہ بے چاری تصویر اکلوتی ہے۔ بہت مشکل صورتِ حال لگ رہی ہے۔“ ہادی نے اب کی صوتی پیغام بھیجا تھا۔

”ہاں یار! لیکن میں آن لائن بولی لگانے کی پوسٹ لگا دوں گا، جو سب سے زیادہ بولی لگائے گا، تصویر اسی کی ہو گی۔“ زاہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

دونوں دوست اب صوتی پیغام بھیج کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ لکھنے کی مشقّت سے دونوں ہی بچ گئے تھے۔

”ارے ہاں! ایسا ہی کرو۔۔۔ کمال کا آئیڈیا ہے۔“ ہادی نے تعریف کی۔

❖

”چلو لگاتا ہوں پوسٹ! پھر دیکھتے ہیں کون کون آتا ہے بولی لگانے!! تم چیک کرتے رہنا وقتاً فوقتاً، ہو سکتا ہے کام کی وجہ سے میں موبائل زیادہ استعمال نہ کر سکوں۔“ زاہد نے کہا۔

”کھیت کے کام کو چھوڑ کر پہلے اس کام پر توجہ دو یار! کھیت میں ملازم ہے تو۔ میں تو کہتا ہوں ان چھٹیوں سے فائدہ اسی صورت اٹھاؤ، تصاویر بنا کر تم اچھے خاصے پیسے جمع کر سکتے ہو اور ہو سکتا ہے تمہارا وہ خواب بھی جلد پورا ہو جائے۔“ ہادی نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

”کون سا خواب؟“ زاہد نے الجھ کر پوچھا۔

”وہی بابا۔۔۔ فیرولینڈ کی سیر کا۔“ ہادی چہکا۔

”کیا ایسا ممکن ہے؟“ زاہد کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

”ہاں، کیوں نہیں! بس تم ہمت کرو اور اپنے ہاتھوں کا جادو دنیا کو دکھا دو، تاکہ دنیا تمہیں پیسے دکھائے اور یوں فیرولینڈ کا مہنگا ٹکٹ تم آسانی سے خرید سکو۔“ ہادی نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

”ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔۔۔“ خواب دوبارہ اس کی آنکھوں میں آبسا تھا۔

ایک نئے عزم سے اس نے کام کا آغاز اللہ کے بابرکت نام سے کر دیا تھا۔ اس کی بنائی تصویر کو زینگ مون کے امیر تاجر نے پچاس لاکھ روپے میں خرید لیا تھا۔ سب سے اونچی بولی اسی کی تھی۔ زاہد اپنی پہلی کامیابی پر اللہ کا شکر گزار تھا۔

اس نے بیس مختلف لوگوں سے آرڈرز لیے اور کام شروع کر دیا۔ وہ کام کم، لیکن بہترین کرنا چاہتا تھا، تبھی ہزاروں میں سے گنتی کے کچھ ہی لوگوں کو اس نے ہاں کی تھی۔

اماں اس کے کام سے بہت خوش تھی۔ ابا بھی زاہد کی شہرت فیرولینڈ پر سن چکے تھے۔ وہ لوٹے تو مَسرت سے ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

”وے پتر! توں تے چارے پاسے مشہور ہو گیا ایں۔۔۔ نال میرا ناں وی روشن کر دتا، شاوشے میرا شہزادہ۔۔۔“

ابا کی ڈھیروں تعریفوں پر زاہد ساختہ شرما کر رہ گیا۔ وہ اس وقت ایک تصویر بنا رہا تھا۔ ابو محویت سے اس کی لمبی انگلیوں کو حرکت کرتے دیکھتے رہے۔ رنگین برش اس کے ہاتھ میں بڑا پیارا لگ رہا تھا۔

دو ڈھائی مہینوں میں زاہد نے دو درجن تصاویر بنا کر آن لائن فروخت کی تھیں اور اس کا بینک بیلنس اچھا خاصا بڑھ چکا تھا اور اب بھی ہند سے مسلسل بڑھتے جا رہے تھے۔

اپنی کمائی سے فیرولینڈ کی سیاحت کرنا، ایسا تو زاہد نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اللہ کی حکمت پر حیران سا تھا۔ اس کا خواب پورا ہونے کا سبب اس کا آرٹ بن جائے گا۔ یہ خیال کبھی آیا تک نہیں۔

چھٹیاں ختم ہوئیں اور جب وہ اسکول گیا تو وہاں اس کے چاہنے والے سیکڑوں کی تعداد میں منتظر تھے۔ زاہد اتنے ہجوم میں بوکھلا سا گیا۔ سب اس سے ہاتھ ملانے کو کھڑے تھے۔

شرمیز کا چہرہ کچھ سیاہ لگ رہا تھا۔ شاید اس کے اندر جلتی حسد کی آگ کا دھواں تھا جو چہرے پر پھیلتا جا رہا تھا۔ اس نے نفرت سے زاہد کو گھورا اور پیر پٹختے ہوئے اسمبلی ہال سے نکل گیا۔

❖

سال گزرا۔۔۔ سردیوں کا آغاز ہوا تو اسکول میں تعطیلات شروع ہو گئیں۔ زاہد اس سال فیرولینڈ جا رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کا چہرہ انار کے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔

اس کے پاس اتنی رقم تھی کہ اماں ابا بھی اس کے ساتھ جا سکتے تھے۔ سفر کی تیاریوں کے بعد ایک روشن صبح وہ خلائی اڈے پہنچ گئے۔

فیرولینڈ کا سفر بہت اچھا رہا۔ زاہد کو سب کسی خواب کا حصہ لگ رہا تھا۔ وہ زمین کو ایک نقطے کی صورت بہت دور چھوڑ آیا تھا اور اب جہاز فیرولینڈ کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔

اگلے چھ ہفتے تک وہ فیرولینڈ کی سیاحت کرتے رہے تھے۔

ایک دن زاہد کا سامنا شرمیز سے ہو گیا۔ وہ پارک میں چہل قدمی کرنے گیا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ شرمیز بھی وہاں ٹہل رہا تھا۔ شرمیز کی نظر زاہد پر پڑی تو ایک پل کو وہ سانس لینا بھی بھول گیا۔ وہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا زاہد جیسا غریب لڑکا فیرولینڈ پہنچ جائے گا۔

”واہ کیا دور آ گیا۔ اب زمینی کیڑے بھی فیرولینڈ کا رخ کرنے لگ گئے۔ حد نہیں ہو گئی۔“ اس نے اپنی اوقات نہیں بھولی تھی۔ حسبِ معمول طنز کرنے سے باز نہ رہ سکا، وہ جلن کے مارے یہ تک بھول گیا کہ وہ زمین یا کسی دوسرے سیارے پر نہیں بلکہ فیرولینڈ پر ہے۔ پارک میں ٹہلتے پولیس کے خصوصی روبوٹ نے شرمیز کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ لمحہ کی تاخیر کیے بغیر آگے بڑھا اور شرمیز کو گرفتار کر کے قریبی تھانے لے گیا۔ زاہد بھونچکا سا اپنی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔

ہریرہ سنبھل گیا

ام مصطفیٰ

”اب ہریرہ سات سال کے ہو گئے ہیں۔ نماز کے لیے قریبی مسجد میں جایا کریں گے۔“ ابو جان نے ہریرہ کے کندھے دبا کر کہا۔

ہریرہ پہلے تو گھبرائے، مگر ایک دو دن مسجد جانے کے بعد ان کی یہ گھبراہٹ ختم ہو گئی۔ اب تو ہریرہ کو مسجد آنے جانے میں بے حد مزا آنے لگا۔ امی جان بھی ہریرہ کا حوصلہ بڑھاتیں بلکہ امی جان مسجد سے قریب دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ہریرہ سے منگوانے لگی تھیں۔ اس عمل سے امی جان کو بھی آسانی ہو گئی تھی اور ہریرہ کا حساب بھی بہتر ہونے لگا تھا۔ اسے خریداری کی سمجھ بھی آنے لگی تھی۔ اس طرح نماز کے لیے آتے جاتے اور چھوٹی چھوٹی خریداری کرتے چھ ماہ گزر گئے۔ امی ابو، ہریرہ سے خوش اور مطمئن تھے۔ ایک دن ہریرہ کی ملاقات مسجد سے باہر عدنان اور عفان سے ہوئی۔ دونوں چند دن پہلے ہی اس محلے میں رہنے آئے تھے۔ دونوں ہریرہ سے ایک سال بڑے تھے۔

”السلام علیکم!“ ہریرہ نے دونوں کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! کہاں جا رہے ہو؟“ عفان نے پوچھا۔

”وہ امی نے نماز کے بعد دال لانے کا کہا تھا۔“ ہریرہ نے جواب دیا۔

چلو ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ کریانے والے چچا کی دکان پر آج معمول سے زیادہ رش تھا۔

”چچا جان! مجھے ایک پاؤ دال دے دیجیے۔“ ہریرہ نے تیسری بار تیز آواز میں کہا۔

”ہاں بیٹا!“ چچا جان نے آخر سن ہی لیا۔

دال وصول کرنے کے بعد پیسے پکڑانے کا مرحلہ تھا۔ بھیڑ کی وجہ سے چچا جان نے توجہ نہیں دی تھی کہ ہریرہ نے ابھی پیسے نہیں دیے۔ اسی وقت عدنان نے ہریرہ سے قریب آ کر کہا۔

”ہریرہ! آج چچا جان کو دال کے پیسے مت دو۔“

”کیوں؟“ ہریرہ نے حیرانی سے عدنان کو دیکھا۔

”ہر بار تو دیتے ہو، آج نہیں دو گے تو کیا ہو جائے گا۔“ عدنان نے شرارت سے کہا۔

ہریرہ، عدنان کی باتوں میں آ گیا اور بھیڑ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیسے دیے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔

”آؤ! ان پیسوں سے پارٹی کرتے ہیں۔“ عدنان بولا۔

”پارٹی؟؟“

”بالکل! اب گھر جا کر امی کے ہاتھ میں دال پکڑا کر اور ساتھ میں پیسے بھی دکھاؤ گے تو امی نے تمہاری پٹائی کر دینی ہے۔“ عفان نے ہنس کر کہا۔

ہریرہ یہ باتیں سن کر سوچ میں پڑ گیا اور پھر شیطانی چال مکمل طور سے چل گئی۔ تینوں نے قلفی خرید کر کھائی، ہریرہ کو بہت مزہ آیا۔

”دیکھا! کتنی مزے کی پارٹی کروائی۔“ عدنان بولا۔

”اب جب بھی موقع ملے ایسے ہی کر لینا، ورنہ امی ابو تو کبھی تمہیں یہ پارٹیاں کرنے کے پیسے نہیں دیں گے۔“ عفان نے اس کا مذاق اڑایا۔

اب وہ جلدی جلدی گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دیر سے آنے پر امی خفا ہو رہی تھیں بلکہ ساتھ ہی پریشان بھی ہو رہی تھیں۔ امی کو ہریرہ نے دال پکڑائی اور پھر جا کر ہاتھ منہ دھونے لگا۔

”یہ ہاتھ منہ کیوں دھو رہے ہو؟“

”وہ، وہ۔۔۔“ ہریرہ سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی۔

”ہاں! باہر سے آ کر ہاتھ دھونے چاہییں، ہمارے استاد جی نے بتایا تھا۔“ اور اس طرح اس نے ایک اور جھوٹ بولا۔ امی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

اب یہ معمول بار بار کا بن گیا۔ جب بھی موقع ملتا ہریرہ بھیڑ کا فائدہ اٹھا کر پیسے نہیں دیتا اور ان پیسوں سے مزے کی چیز کھا کر گھر جاتا۔ امی کو کئی بار شک ہوا اور پھر امی نے اس سلسلے میں ابو سے بات کی۔ ابو نے کچھ سوچا اور پھر ایک فیصلہ کیا۔ آج امی نے سبزی منگوائی تھی۔

”اس میں تو زیادہ پیسے بچ سکتے ہیں، اگر میں آگے والی مارکیٹ سے سبزی لینے جاؤں تو۔۔۔ کیوں کہ وہاں بھیڑ زیادہ ہوتی ہے، مسجد کے قریب سبزی والے کے پاس کم لوگ آتے ہیں۔ لیکن اس طرح زیادہ دیر ہو جائے گی، امی کو شک ہو جائے گا۔“

”کیا سوچ رہے ہو؟“ عفان کی آواز نے ہریرہ کو چونکا دیا۔

ہریرہ نے عفان کو اپنی مشکل بتائی۔ ”ارے! اس میں کیا مشکل ہے، آج نماز چھوڑ دو۔“ عفان نے چٹکی بجا کر کہا۔

”نماز چھوڑ دوں؟؟؟“ ہریرہ ہڑبڑایا۔

”پوری چھوڑنے کا کون کہہ رہا ہے، گھر جا کر چپکے سے پڑھ لینا۔ جماعت سے پڑھنا ضروری تھوڑی ہے۔“ عفان نے پھر مشکل حل کی۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔“ ہریرہ کو اطمینان ہوا۔

اب ہریرہ جلدی جلدی بازار کی سمت جا رہا تھا۔ اس نے بھیڑ کا فائدہ اٹھا کر پیسے بھی نہیں دیے اور پھر اپنی پسند کی چیزیں کھا کر گھر لوٹا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو داد دے رہا تھا کہ ”وہ کتنا ذہین ہو گیا ہے۔“ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ ابو جان دیکھ چکے ہیں۔

”ہریرہ ادھر آئیے۔“ ابو جان نے پکارا۔

”جی ابو!“

”کل عصر کی نماز آپ نے محلے کی مسجد میں ادا نہیں کی تھی؟“

”وہ، ہاں،۔۔۔ نہیں۔۔ وہ ابو جان!!“ ہریرہ سے جھوٹ نہیں بولا گیا۔

”اچھا چھوڑیں، یہ بتائیں کہ امی نے جو سبزی منگوائی تھی، وہ کیا حساب آئی تھی؟“

”وہ بیس کی پاؤ تھی۔“ ہریرہ نے فوراً جواب دیا۔

اچھا! مگر مجھے تو سبزی والے نے پندرہ کی بتائی۔ آپ نے سبزی والے انکل کو پیسے دیے تھے؟

نہیں، ہاں، ہاں۔۔۔ جی ابو! ہریرہ کی ہکلاہٹ پھر شروع ہو گئی۔ اب ابو جان خاموشی سے ہریرہ کا چہرہ دیکھ رہے تھے، جو شرمندگی کے باعث جھکا ہوا تھا۔

”آپ میرے پوچھنے پر اتنا پریشان ہو رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کیسے جواب دیں گے ان باتوں کا؟“ ابو جان نے افسوس سے کہا۔

”ابو جان! مجھے معاف کر دیں۔ میں عدنان اور عفان کی باتوں میں آ گیا تھا۔“ ہریرہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”معافی مجھ سے نہیں، پہلے اللہ سے پھر بندوں سے مانگنی ہو گی۔“

”بندوں سے؟“

”ہاں! بندوں سے، بلکہ ان کے پیسے بھی لوٹانے ہوں گے۔“ ابو نے تفصیل بتائی۔

اب ہریرہ کو سمجھ آئی کہ یہ اس نے کتنی شرمندگی والا کام کر لیا تھا، لیکن ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، ورنہ قیامت کی ذلت اور شرمندگی کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔

چاولوں کی پلیٹ

دعا اسماء

"آج بڑی پھپھو آ رہی ہیں۔"

زارا نے موبائل سائڈ پہ رکھتے ہوئے گویا اعلان کیا۔ ابھی ابھی اس کی پھپھو سے بات ہوئی تھی، انھوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھتیجے اور بھتیجیوں سے ملنے کے لیے آ رہی ہیں۔ وہ بھی پورے ایک ہفتے کے لیے!

"پھپھو تو قریب رہتی ہیں، ان کے آنے کی اتنی خوشی کیوں؟"

"لیکن زارا کی پھپھو تو امریکہ میں رہتی ہیں پورے آٹھ سال بعد پاکستان آ رہی ہیں تو خوشی کی بات تو ہے نا۔" زارا نے پھپھو کے آنے کی خوش خبری پورے گھر میں اعلانیہ بتا دی۔

سب بہت خوش ہوئے اور لگے پھپھو کے آنے کی تیاریاں کرنے!

زارا کے بابا بازار سے گوشت اور پھل لے آئے۔ گوشت کو خوشی خوشی زارا نے صاف کیا اور پھر فریزر میں رکھ دیا۔ پھل بھی اچھی طرح دھو کر فرج میں سجا دیے۔ زارا کی امی جان نے بھی بھرپور تیاری کی سفید چاول بنا کر رکھ دیے۔ سلاد ہندہ نے اور رائتہ زارا نے بنایا۔ گوشت کے شامی کباب تیار تھے، بس تلنے کی دیر تھی۔

سارا گھر اچھی طرح صاف کیا گیا اور خوب چمکایا گیا۔

شام کو پانچ بجے زارا کے بابا اپنی بہن کو لینے ایئرپورٹ جا چکے تھے، امی جان بھی ساتھ گئی تھیں۔

زارا اور ہندہ گھر میں ہی تھیں، علی بھی پھپھو کے آنے کا شدّت سے منتظر تھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا پھپھو کیا لائیں گی سب کے لیے؟" ہندہ نے زارا اور علی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے لیے تو وہ بہت خوب صورت بٹوہ لائیں گی، جس پر میرا نام لکھا ہوگا۔" علی نے جلدی جلدی بتایا ہندہ اس کے انداز پہ ہنس پڑی۔

"اور آپی آپ کے لیے کیا خیال ہے کیا لائیں گی؟" زارا نے ہندہ سے پوچھا۔

"خوب صورت اور نفیس سی بلیو کلر کی گھڑی۔" ہندہ نے کہا۔

"مگر آپی بلیو کلر تو لڑکے پہنتے ہیں۔" علی بول اٹھا۔

"تو؟ لڑکیاں نہیں پہن سکتی، منع ہے کیا؟" ہندہ علی کی طرف الٹ پڑی۔

"او ہو میرا مطلب ہے کہ لڑکیاں تو پنک پہنتی ہیں، آپ عجیب ہیں ہر چیز بلیو پہنتی ہیں، کپڑے بلیو، ہیئر بینڈ بلیو، چپل بلیو، بریسلیٹ بلیو، بلیو ہینڈ فری، بلیو موبائل کا کور۔۔۔" علی نے جلدی جلدی گن کر کہا، مگر ہندہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"بس بس بہت ہو گیا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"زارا تم بتاؤ؟" علی نے زارا سے کہا۔

"میرے لیے تو وہ خوب صورت پرس لائیں گی۔" زارا نے اپنا اندازہ بتایا۔

"ہمم" علی سوچ میں پڑ گیا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ باہر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ تینوں دوڑتے ہوئے باہر آئے تو پھپھو گھر کے اندر داخل ہو رہی تھیں، پیچھے ان کا سامان اٹھائے امی اور بابا آ رہے تھے۔

"پھپھو۔" تینوں بچے اپنی پھپھو سے لپٹ گئے۔ انھوں نے تینوں کو خوب پیار کیا اور پھر سب اندر آ گئے۔

"پھپھو لمبے سفر سے آئی تھیں، سو سب نے انھیں آرام کرنے کا کہا، جس پر انھوں نے جواب دیا۔

"اتنے سالوں بعد آئی ہوں اپنے بھتیجے اور بھتیجیوں کو دیکھ رہی ہوں، میری ساری تھکن ہی دور ہو گئی ہے۔" انھوں نے محبت سے تینوں کو دیکھ کر کہا۔

"آپ پہلے کھانا تو کھا لیں، پھر ہفتہ بھر ہمیں دیکھتی رہیے گا۔" ہندہ نے شریر لہجے میں کہا سب ہنس پڑے۔

کھانا بہت خوب صورت ماحول میں چن دیا گیا سب نے مل کر کھانا کھایا اور آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

آدھے گھنٹے بعد پھپھو کی تھکن اتری تو وہ صحن میں آ گئیں، ان کے ساتھ ایک بیگ بھی رکھا تھا، جس میں تینوں کے لیے تحائف تھے۔

آہستہ آہستہ سب پھپھو کے پیچھے صحن میں آ گئے۔ پھپھو نے تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اب باری آتی ہے تم تینوں کے گفٹس کی۔" پھپھو بولیں تینوں مسکرائے۔

پھپھو نے ایک ایک کر کے گفٹس نکالے علی کے لیے خوب صورت قلم اور بٹوہ تھا۔ دونوں چیزوں پر اس کا نام لکھا تھا۔

"یہ بہت خوب صورت ہے، شکریہ پیاری پھپھو۔" علی نے کہا۔

اب زارا کی باری تھی، اس کے لیے خوب صورت دھوپ کا چشمہ تھا، زارا کو پسند آیا۔

"یہ پیارا ہے مجھے پسند آیا۔" زارا بولی۔

ہندہ کے لیے پھپھو بلیو رنگ کی گھڑی لائی تھیں، جسے دیکھتے ہی ہندہ چہک اٹھی۔

"یہ گھڑی بہت بہت پسند آئی مجھے، میرا فیورٹ رنگ یاد تھا آپ کو؟" ہندہ نے چہکتے ہوئے کہا۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں، تمہارے ابو نے بتایا تھا کہ تم نے اپنے کمرے کی ہر چیز بلیو لے رکھی ہے، تب سے میں نے یہی سوچا تھا کہ تمہارے لیے بلیو ہی چیز لے کر جاؤں گی۔" پھپھو نے بتایا ہندہ مسکرا دی۔

"رات کے کھانے کے لیے کیا بناؤں آپا؟" امی جان نے پھپھو سے پوچھا۔

"دن والے سفید چاول رکھے ہیں؟" پھپھو نے سوال کیا۔

"جی آپا رکھے ہیں، مگر تھوڑے ہیں۔" امی جان نے جھجک کر کہا۔ ان کو تینوں بچوں کی عادت کا معلوم تھا کہ انھیں رات کا کھانا الگ الگ اپنے کمرے میں کھانا پسند ہے۔ چاول تھوڑے تھے اور الگ الگ لے جانے سے تو کم ہی سب کے حصے میں آتے۔

"چلو! چاول تو موجود ہیں، تم صرف آلو کا سالن بنا دو۔" پھپھو بولیں۔

"چلیں ٹھیک ہے۔" امی نے کہا۔

رات کا کھانا چن دیا گیا تھا۔ تینوں بچے آئے اور اپنے لیے چاول پلیٹوں میں ڈالے، اوپر سالن ڈالا اور اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔

اب پتیلی میں آدھی پلیٹ ہی چاولوں کی رہ گئی تھیں اور کھانے والے تین تھے۔

"یہ کیا؟ رات کا کھانا ساتھ میں نہیں کھاتے بچے، مگر کیوں؟؟" پھپھو دل میں مچلتا سوال زبان پر لے آئیں۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ وہ۔۔۔" امی جان ہکلائیں۔

"میں ان تینوں کو سمجھا کر آتی ہوں۔" پھپھو اٹھ کر ہال میں آ گئیں، جہاں پانچ کمرے تھے، تین بچوں کے، چوتھا امی ابو کا اور پانچواں ضرورت کے تحت بنوایا گیا تھا۔ انھوں نے علی کے کمرے کا رخ کیا، اسے اور ہندہ کو کمرے سے نکال کر زارا کے کمرے میں آ گئیں جو مزے سے چاول کھانے میں مصروف تھی۔

"میرے بچو! تم رات کا کھانا ایک دوسرے سے علی حدہ ہو کر کیوں کھاتے ہو، کیا تمہیں معلوم ہے ساتھ کھانے میں برکت ہوتی ہے؟" پھپھو نے پیار سے کہا۔

"جی معلوم ہے، مگر ہمیں یوں کھانا اچھا لگتا ہے۔" علی بولا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے ایک ساتھ کھانے سے برکت کیسے ہوتی ہے؟" پھپھو نے یہ کہہ کر تینوں کی طرف دیکھا۔

تینوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں تمہیں آسان زبان میں سمجھاتی ہوں۔ دیکھو! آج دن والے چاول اتنے تھے کہ سبھی کا پیٹ بھر جاتا، مگر جیسے ہی تم تینوں نے الگ الگ پلیٹوں میں چاول لیے تو بہت ہی کم رہ گئے، اگر ہم ساتھ کھاتے تو سب کو ہی برابر لقمے آ جاتے۔" پھپھو یہاں تک کہہ کر رُکیں۔

"اوہ! اب بات سمجھ میں آ گئی کہ برکت کسے کہتے ہیں۔" ہندہ بول اٹھی۔

"پھپھو آج ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کے کھانا کھائیں گے۔" زارا اٹھتے ہوئے بولی۔

"صرف آج نہیں، مستقل!" پھپھو نے اٹھتے ہوئے کہا تو سب اٹھ کر کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

ایک درخت ایک انٹرویو

طویل العمر درخت

سمیرا انور

اس بار سومی اور اس کے دوست آپ کو جس درخت کے متعلق معلومات دیں گے، اس کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر میں نباتات کی طویل العمر اور سست رَو قسم ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ کون سا نایاب درخت ہے؟

سومی اور اس کے دوست گوشو اور لالی انٹرویو کی تیاری میں مصروف ہیں۔ گوشو نے مائیک سیدھا کیا اور سومی کو پکڑا دیا۔ لالی نے بھی اپنی ڈائری سامنے رکھ لی۔

"بچو! آج ہم جس درخت کا انٹرویو کریں گے، وہ بہت اعلیٰ قسم کا درخت ہے اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ سو سال میں ایک سے تین انچ تک بڑھتا ہے۔" سومی یہ کہتے ہوئے ایک اونچے قد کے درخت کی طرف بڑھ گئی۔

"پیارے صنوبر کیسے ہیں آپ؟ آج آپ ہمارے مہمان ہیں۔" سومی کی بات سن کر صنوبر ہلکا سا مسکرایا اور بولا: آپ کا بے حد شکریہ سومی۔ صنوبر کے درخت نے مختصر سا جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

"کیا بات ہے صنوبر کے درخت! آپ ہم سے ناراض ہیں؟" سومی نے پوچھا۔

"نہیں سومی! آپ تو ہمارے جنگل کے ہر درخت کا بہت خیال رکھتی ہیں، لیکن میری اداسی کی وجہ کچھ اور ہے۔" صنوبر کے درخت نے جواب دیا۔

"آپ ہمیں اداسی کی وجہ بتایے شاید ہم اس کا کوئی حل نکال لیں۔"

"سومی! میں اپنی اداسی کی وجہ انٹرویو کے آخر میں بتاؤں گا۔" سومی نے اس کی بات سن کر سر ہلایا اور انٹرویو کا پہلا سوال کیا۔

"صنوبر کا یہ پیارا سا درخت دنیا کے کس کس حصے میں پایا جاتا ہے؟"

"صنوبر شمالی امریکا، شمالی افریقہ، وسط ایشیا اور پاکستان سمیت جنوبی ایشیا کے مختلف ممالک میں پایا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں اس کا سب سے بڑا جنگل تاجکستان میں واقع ہے، جبکہ دوسرا بڑا جنگل پاکستان کے صوبے بلوچستان میں موجود ہے۔" صنوبر کے درخت نے جواب دیا۔

"بلوچستان میں اس کے درخت کس جگہ پائے جاتے ہیں۔" سومی نے پوچھا۔

"سبّی، کوئٹہ، لورالائی، پشین اور قلّات میں پایا جاتا ہے۔"

"پاکستان میں اس کے جنگلات کا سب سے بڑا سلسلہ کہاں پایا جاتا ہے؟" سومی نے سوال کیا۔

"اس کا سب سے وسیع اور گھنا سلسلہ ضلع زیارت میں واقع ہے۔" صنوبر کے درخت نے مسکرا کر کہا۔

"اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت سست روی سے بڑھتا ہے، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟"

"اس کی افزائش کے لیے خاص آب و ہوا اور ماحول درکار ہوتا ہے، اس لیے یہ ہر جگہ جڑ نہیں پکڑتا۔ یہ سو سال میں بمشکل چند انچ بڑھتا ہے۔" صنوبر نے جواب دیا۔

"یہ کس قسم کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے؟" سومی نے سوال کیا۔

"خشک اور سرد آب و ہوا والے علاقے کا درخت ہے کہ جس کی سطحِ سمندر سے بلندی اٹھارہ سو تا تین ہزار میٹر تک ہو اور جہاں سالانہ بارش اور برف باری سوا تین سو ملی میٹر سے تجاوز نہ کرے۔"

"اس طرح تو صنوبر بہت قدیم درخت کے طور پر جانا جاتا ہوگا۔" سومی نے کہا۔

"ہاں، بالکل ماہرین نباتات کے مطابق اس کے کچھ درخت پندرہ ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔" صنوبر کی بات سن کر سومی اور اس کی ٹیم نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کہتے ہیں صنوبر کے بہت سے طبّی فوائد بھی ہیں۔ یہ کس کس مرض کے لیے کار گر ثابت ہوتا ہے؟"

"صنوبر کی لکڑی کا تیل پرانے زخموں کو ٹھیک کرتا ہے اور چنبل جیسے جلدی مرض کے لیے اکسیر ہے۔ نکسیر روکنے کے لیے صنوبر کے پتوں اور چھال کا سفوف استعمال کیا جاتا ہے۔"

"کیا اس کے پتے اور چھال دانتوں کے لیے بھی فائدہ مند ہیں؟" سومی نے پوچھا۔

"ہاں، اس کے پتوں اور چھال کے جوشاندے سے کلی کرنے سے دانتوں کا درد ختم ہوتا ہے اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں اور ان سے خون آنا بند ہو جاتا ہے۔"

"دنیا بھر میں اس کی کتنی اقسام پائی جاتی ہیں؟"

"ماہرینِ جنگلات کا اتفاق ہے کہ دنیا بھر میں اس کی 54 سے 62 کے درمیان اقسام موجود ہیں۔" صنوبر نے جواب دیا۔

"سنا ہے صنوبر کے درخت ناپید ہو رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟" سومی کا سوال سن کر صنوبر کی آنکھیں بھر آئیں، یہ ہی تو اس کی اداسی کی وجہ تھی، سومی نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔

"زیارت میں موجود صنوبر کے جنگلات برف پوش پہاڑ سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک انوکھی اہمیت کا حامل ہے، لیکن مقامی لوگ اس بات سے بے خبر ہو کر ان جنگلات کو کاٹ رہے ہیں، انھیں علم ہی نہیں کہ وہ دنیا کی سب سے قیمتی حیاتیاتی ورثے کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔"

"یہ تو بہت افسوس ناک صورتِ حال ہے، اس طرح تو ہم صنوبر کے نایاب درختوں سے محروم ہو جائیں گے۔" سومی کی بات سن کر صنوبر نے سر ہلایا: "ان کے بیجوں کی نمو بھی بہت کم ہے، یہ صرف پانچ سے دس فی صد ہی بڑھ پاتے ہیں۔"

"ہمیں اس مسئلے پر کچھ سوچنا ہوگا، کیوں کہ اس طرح ہم صنوبر کے درخت کے ساتھ ساتھ جنگلی حیاتیات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔" سومی کی بات سن کر صنوبر نے سر ہلایا۔

"مارخور، جنگلی لومڑیاں، کالے ریچھ، بھیڑیے اور بہت سے جنگلی جانوروں کا مسکن صنوبر ہیں۔"

"ہم سب کو مل کر اپنے صنوبر کے جنگل بچانا ہو گا۔" سومی نے افسردگی سے کہا اور صنوبر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے تسلی دے کر اجازت چاہی۔

REEHAISH
جائیداد کی خریداری شریعت کی پاسداری

Affordable Luxury Redefined
REEHAISH
RESIDENCIA

A project by
REEHAISH BUILDERS PRIVATE LIMITED

1 & 2 BED APARTMENTS

585 sq.ft

1140 sq.ft

LIMITED APARTMENT LEFT

BOOKING STARTS FROM

~~27 LAC~~

15 LAC

COMMERCIAL SHOWROOMS
Also Available on Booking

Amenities

• 2 Lifts Including Cargo Lift • 24hr Standby Generator System • 24hr CCTV Monitoring • Garbage Chute
• Ample Parking In Front Of Project • Fire Fighting System •

CONSTRUCTION IS IN FULL SWING

For Booking & Details Contact :

0321-9268333 | 0332-3423553 | 0321-2628455

REEHAISH BUILDERS PRIVATE LIMITED

HEAD OFFICE: Office M-06 & 07, Mezzanine Floor, AQ Business Center, Plot# B-41 Jinnah Avenue, Bahria Town Karachi.
LAHORE OFFICE: 2nd Floor, Plot 22-B, Sector C Commercial, Bahria Town Lahore. +92-42-37861173

reehaish | www.reehaish.com

BAHRIA TOWN

بندر

فوزیہ خلیل

بچے اپنا ہوم ورک کر رہے تھے۔ سارہ سائنس کا کام کر رہی تھی۔ اچانک کام کرتے کرتے خولہ بولی: "کیا کوئی جانور ایسا ہے جو کروڑوں سال سے دنیا میں رہتا ہے؟"

سارہ نے اپنا کام روک کر کہا: "ہاں، خولہ بندر کروڑوں سال سے دنیا میں رہتے ہیں۔ ویسے بھی بندر جسمانی اعتبار سے انسانوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی سائنس کی کتاب میں پڑھا تھا یہ سننے کی تیز حس رکھتے ہیں اور دیکھنے کے اعتبار سے بھی ان میں انسانوں سے اچھی بصارت ہوتی ہے۔"

"اور سونگھنے کی صلاحیت؟" اُس کے چھوٹے بھائی عبدالباری نے پوچھا۔

"نہیں ان میں سونگھنے کی صلاحیت زیادہ نہیں ہوتی۔"

"مجھے بندر بہت اچھے لگتے ہیں۔" عبدالہادی بولا۔ "بندر کیا کھاتے ہیں؟"

"ان کے منہ میں 36 دانت ہوتے ہیں ان کی پسندیدہ غذا کیلا اور گنا ہے اس کے علاوہ یہ مکئی، چنے، پھل، سبزیاں، جڑی بوٹیاں، درختوں کے پتے، پرندے، مینڈک اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔" سارہ نے اپنی سائنس کی کتاب بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

سارہ کے سب بہن بھائی غور سے اُس کی باتیں سننے لگے۔

"انسانوں کی طرح بندروں کی ہتھیلیاں اور تلوؤں پر بھی لکیریں ہوتی ہیں انگلیوں پر بھی خاص نشان ہوتے ہیں لہٰذا انسانوں کی طرح بندروں کو بھی انگلیوں کے نشانات کی مدد سے شناخت کیا جاسکتا ہے۔"

"بندروں میں انسانوں جیسی اور بھی تو کئی خصوصیات ہوتی ہیں۔" خولہ بولی۔

"ہاں ناں! بندر کے ہاتھ انسانوں کی طرح ہوتے ہیں وہ ان سے چیزوں کو پکڑتا اور اٹھاتا ہے۔ اس کے پاؤں بھی ہماری طرح ہوتے ہیں۔ ان میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ ایک انگلی انگوٹھے کی طرح موٹی ہوتی ہے۔"

"میں نے پڑھا تھا ان کی اوسط عمر 50 سال کے لگ بھگ ہوتی ہے اور یہ انسانوں کی طرح مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ گروہوں میں رہتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ بندر کے حوالے سے کچھ دلچسپ باتیں بھی ہیں۔" سارہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ بندر بہت ذہین ہوتے ہیں انسانوں کی طرح کام بہت جلد سیکھ لیتے ہیں۔ جیسے ناریل کا درخت بہت لمبا ہوتا ہے۔ اس پر چڑھنا خطرناک بھی ہے اور مشکل بھی۔ ملائشیا میں پائے جانے والے بندر بہت تیزی سے درخت پر چڑھ کر ناریل توڑ لاتے ہیں اس مقصد کے لیے ان کو باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ جب وہ ناریل توڑنے میں ماہر ہو جاتے ہیں تو بندر کو کچے اور پکے ناریل میں فرق سمجھایا جاتا ہے تاکہ وہ صرف پکے ناریل توڑے۔

"زبردست۔" عبدالباری نے خوش ہو کر تالی بجائی۔

"بندر طرح طرح کی آوازیں نکال سکتے ہیں۔ کوئی خطرہ ہو تو یہ خاص قسم کی آواز نکالتے ہیں جس سے دیگر جانور بھی ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ خوشی، غم، غصہ، خوف، ڈرانے، دھمکانے، بلانے غرض مختلف مواقع پر مختلف آوازیں نکالتے ہیں۔"

"ایک مرتبہ جب ہم چڑیا گھر گئے تھے تو ہم نے دیکھا تھا بندریا اپنے بچوں کے سر سے جوئیں نکال رہی تھی۔" عبدالہادی نے ہنس کر کہا۔

"ہاں بھئی، ماں بندریا اپنے بچوں کا بڑا خیال رکھتی ہے اور ان کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتی ہے۔ ان کے بالوں سے جوئیں اور پسو نکالتی ہے۔ بندر آپس میں ایک دوسرے کے بالوں کی صفائی بھی کرتے ہیں۔ ماں بندریا اپنے بچوں کو چھلانگ لگانا اور درختوں کی نرم شاخیں توڑ کر کھانا سکھاتی ہے۔" سارہ کہتی چلی گئی۔

"کیا بندر کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے؟" عبدالباری نے پوچھا۔

"ہاں ناں، قرآن مجید کی تین سورتوں میں بندر کا ذکر آیا ہے۔" نانا جان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا، وہ کون کون سی سورتیں ہیں؟" خولہ نے پوچھا۔

"سورۃ البقرہ، سورۃ المائدہ، سورۃ الاعراف میں۔" نانا جان نے بتایا۔

"یہ وہی واقعہ ہے ناں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے معبودانِ باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدترین درجے والے ہیں اور یہی راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔"

نانا جان ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ عبدالہادی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بندر جو ہم دیکھتے ہیں وہی بندر ہیں جو عذاب سے مسخ ہوئے تھے۔"

"نہیں بیٹے، ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو ہلاک کیا یا عذاب دیا ان کی نسل نہیں بنائی۔" نانا جان بولے۔

"یعنی یہ بندر اور سور پہلے سے موجود تھے۔" سارہ نے جملہ مکمل کیا۔

تمام بچے دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ آج ان کو بندروں کے حوالے سے کتنی ساری معلومات ملیں۔ اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نشانیاں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں، بس ہم ہیں کہ غور و فکر نہیں کرتے۔

بچوں کے فن پارے

آمنہ بنت جمیل عباسی 13 سال کراچی

حفصہ قیصر 14 سال مدرسہ ام عروہ کراچی

امیمہ عباسی ہفتم 12 سال عثمان اللہ والا کراچی

مبشرہ معراج الدین، دس سال چہارم ،نیو اقراء روضۃ الاطفال کراچی

صدیقہ بنت جمیل عباسی 11 سال کراچی

محمد احمر ، سوم دی پروگرامز اسکول

عدن احسان ہفتم فیصل آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ **بانیہ احمد** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

یہ نئے سال 2023ء کے پہلے مہینے یعنی جنوری کا فہم دین میگزین ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ سال میں کتنے مہینے ہوتے ہیں۔ یہ بھی آپ جانتے ہوں گے کہ کس مہینے میں کتنے دن ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر بات چیت کے دوران بچے تو کیا بڑے بھی بھول جاتے ہیں۔ ہم آپ کی آسانی کے لیے تین شعر لکھتے ہیں، آپ یہ یاد کرلیں جب بھی آپ کو ضرورت ہو یا کوئی پوچھے کہ اس مہینے میں کتنے ہیں دن ہیں تو یہ شعر آپ کے کام آسکتے ہیں

تیس ہیں دن ستمبر کے : اپریل جون نومبر کے
فروری کے ہیں اٹھائیس : باقی سب کے ایک اور تیس
لیپ کا سال جب آئے : فروری پہ ایک بڑھائے

یہ بھی یاد رکھیے ہر چوتھا سال لیپ کا ہوتا ہے اور لیپ کے سال میں فروری کے 29 دن ہوتے ہیں۔ یعنی لیپ کے سال میں 366 دن ہوتے ہیں لیپ کے سال کی پہچان بہت آسان ہے، اسے آپ یوں بھی یاد رکھ سکتے ہیں کہ لیپ کا سال جس سن میں ہوتا ہے وہ 4 پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ 2020ء لیپ کا سال تھا اب 2024ء لیپ کا سال ہوگا۔ یوں ہی حساب لگاتے جائیں۔

ماہنامہ فہم دین جنوری 2022ء کے سوالات

سوال 1: آلودگی سے ہر سال کتنے لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں؟

سوال 2: جیوانی کے سمندر سے پکڑی گئی نایاب مچھلی کا وزن کتنا تھا اور وہ کتنے میں فروخت ہوئی؟

سوال 3: صبا کی امی نے یہ کیوں کہا: "نہ جانے یہ لڑکی کب چیزوں کی قدر کرنا سیکھے گی

سوال 4: عادل کو سب مماز بوائے کیوں کہتے تھے؟

سوال 5: ہر سال دنیا میں کتنے درخت کاٹے جاتے ہیں؟

اکتوبر 2022ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے حفصہ قیصر نواز کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

اکتوبر 2022ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: دادی تھیں

جواب 2: بکری

جواب 3: جشن آزادی کا مطلب ہے۔ میوزک کنسرٹ، آتش بازی، ہلہ گلہ اور چراغاں کرنا

جواب 4: خالہ چھک چھک نے۔۔

جواب 5: کانچا کانچی

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03351135011

حمد

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا — زندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا

بگڑے نظامِ دیں کو میرے بھی ٹھیک کردے — ہر دوسرا میں کیا کیا ہے انتظام تیرا

زنہار ہو نہ شیطان عاجز پہ تیرے غالب — بندہ نہ ہو نفس کا ہر گز غلام تیرا

یہ بدلگام و بدرگ نفس شریر و سرک — اے شہسوار خوباں ہوجائے رام تیرا

چھوڑوں نہ زندگی بھر پابندیٔ شریعت — ہو مثلِ زلفِ دل بر مرغوب دام تیرا

دوری میں شاہِ خوباں ابتر ہے حال بے حد — ہو جائے منکشف ہاں اب قرب تام تیرا

زورِ کشش سے تیرے کر جائے قطع دَم میں — راہِ دراز تیری یہ ست گام تیرا

پردہ خودی کا اُٹھ کر کھل جائے رازِ وحدت — ہو مست جامِ الفت یہ تشنہ کام تیرا

باطن میں میرے یارب بس جائے یاد تیری — ہر دم رہے حضوری دل ہو مقام تیرا

مونس ہو میری جاں کی فکر مدام تیری — ہمدم ہو میرے دل کا فکر دوام تیرا

دل کو لگی رہے دُھن، لیل و نہار تیری — مذکور ہو زباں پر ہر صبح و شام تیرا

مورد رہے یہ ہر دم تیری تجلّیوں کا — ہو جائے قلب میرا بیت الحرام تیرا

سینہ میں ہو منقش یا رب کتاب تیری — جاری رہے زباں پر ہر دم کلام تیرا

ہے اب تو یہ تمنا اس طرح عمر گزرے — ہر وقت تیرا دھندا ہر وقت کام تیرا

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تُو ہی تُو ہو

ہر پختہ کار وحدت مجذوبؔ خام تیرا

دنیا سے اس طرح ہو رُخصت غلام تیرا — ہر دل میں یاد تیری ہو لب پہ نام تیرا

ہر ماسوا سے غافل شوق لقا میں تیرے — ہو جان و دل سے حاضر سن کر پیام تیرا

ہے خوبیٔ دو عالم اِک حسن خاتمہ پر — کرنا سر اس مہم کا ادنی ہے کام تیرا

رگ رگ میں مرتے دم ہو صدقِ یقیں کے باعث — تیرے نبیؐ کی وقت اور احترام تیرا

منکر نکیر آکر دے جائیں یہ بشارت — تجھ کو رہے مبارک حسن ختام تیرا

رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے — روزِ جزا نہ دیکھوں میں انتقام تیرا

ہوں ارذلِ خلائق اشرف کا واسطہ ہو — شافع ہو جو نبیؐ ہے خیر الانام تیرا

اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل — جن پر عذاب یا رب ہوگا حرام تیرا

اوروں کے آگے رُسوا نہ کرنا مجھ کو مولیٰ — آگے تیرے خجل ہے عاصی غلام تیرا

دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں خاص اپنے — جب منعقد ہو یا رب دربار عام تیرا

محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل — تیرے نبی کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا

جنت میں چشم حیرت ہو شاد کام میری — جلوہ رہے میسر اس کو مدام تیرا

ہو جملہ انبیاء پر اصحابؓ و اولیاء پر — دائم صلوٰۃ تیری، پیہم سلام تیرا

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذوبؔ رو چکا ہے

اب آگے فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابوبکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

حیات سے بڑا ہے کائنات سے بڑا ہے وہ
ثبوت سے عظیم ہے ثبات سے بڑا ہے وہ
زبان ساتھ دے مگر شعور کی حدود تک
شعورِ لاشعور کی لغات سے بڑا ہے وہ
خدا کا اور بندۂ خدا کا کیا مقابلہ
ہر ایک چیز سے ہر ایک ذات سے بڑا ہے وہ
قریب سے قریب تر بعید سے بعید تر
رسائی حواس و نفسیات سے بڑا ہے وہ
ہم اس کی جس قدر ثنا کریں، ہے کم بہت ہی کم
کہ ساری خوبیوں سے سب صفات سے بڑا ہے وہ
کسی کی فکر و فہم کی گرفت میں نہ آسکے
تخیلات سے تصورات سے بڑا ہے وہ

(حمد: مظفر وارثی)

نعت

محمدِ مصطفیٰ صَلِّ علیٰ کیا نام پیارا ہے
دلوں کی آرزو ہے، دردمندوں کا سہارا ہے
زمانے بھر پہ ہے احسان تیری رہنمائی کا
ترا نقشِ قدم کیا ہے ہدایت کا ستارہ ہے
جو تو آیا تو دنیا کی ہوئی پھر سے چمن بندی
ترے دستِ کرم نے زلفِ گیتی کو سنوارا ہے
ترا قول و عمل بنیاد ٹھہرا دین و ایمان کی
کہ یہ قدرت کا منشاء ہے، مشیت کا اشارہ ہے
ترے صدقے کہ تم نے دل کے آئینے کیے روشن
ترے قربان! اک اک نقشِ فطرت کو ابھارا ہے
وہی حاصل ہے ماہرؔ میری ساری زندگانی کا
وہ اک لمحہ کہ جو یادِ محمد میں گزارا ہے

مثالی خاتون

مسلمان گھرانے کی خاتون کو جنت جیت لینے کے لیے بہت زیادہ نفل نمازوں اور عبادتوں، ریاضتوں کی ضرورت ہی نہیں، بس فرض عبادتوں کے بعد بچوں کو ٹھیک طرح پرورش دے دینا اور اپنے سابقہ والوں کے حق ادا کرکے ان کو راضی رکھنا، یہ خود کسی مجاہدے سے کم نہیں۔ چھپے ہوئے کاغذ پر یہ باتیں کچھ وعظ خشک سی معلوم ہورہی ہوں، لیکن جن کو تجربہ ہے اور وہ احساسِ صحیح بھی رکھتے ہیں کہ مناہلِ زندگی میں ہر دن ہی نہیں، ہر گھنٹہ، ہر منٹ کیسے کیسے امتحانوں سے گزرنا ہوتا ہے اور یہ محض فضلِ خداوندی ہی ہے جو قدم قدم پر دست گیری کیے رہتا ہے۔

(آپ بیتی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ص:187)

بڑے بول کی نقد سزا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہایک مرتبہ میری زبان سے نکل گیا کہ میں کبھی کوئی چیز بھولتا نہیں، ابھی یہ کلمہ کہہ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ میں نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے جوتے لاؤ۔ملازم نے جواب دیا کہ وہ آپ کے پاس آپ کے سامان میں رکھے ہیں، گویا فوری طور پر بھول جانے کا مشاہدہ کرادیا گیا۔

(کشکول، مفتی محمد شفیع صاحب، ص:250)

علم تاریخ کا تعارف

تاریخ وہ علم ہے، جس میں زمانے کے حوادث و واقعات پر وقت کی ترتیب ملحوظ رکھ کر بحث کی جاتی ہے اور قوموں، ملکوں، بادشاہوں اور مشہور شخصیات کے احوال بیان کیے جاتے ہیں۔

تاریخ کا بنیادی مقصد گزشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور دوسروں کے تجربات سے سبق سیکھنا ہے۔ تاریخ ماضی کے تجربات کی روشنی میں حال و مستقبل کے لیے بہتر لائحہ عمل طے کرنے میں مدد دیتی ہے، جو قوم بھی دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی خواہاں ہوتی ہے، وہ اپنی تاریخ سے رابطہ استوار رکھتی ہے، جو قوم اپنا ماضی بھلا دیتی ہے ،وہ دنیا میں کوئی مقام پانا تو درکنار اپنا تشخص تک باقی نہیں رکھ سکتی۔

(تاریخ امت مسلمہ، محمد اسماعیل ریحان، ج 1، ص 32)

اشعار

تیرے کرم سے ملی خوش گوار مجھ کو حیات
گزر چکی ہے بہت، پھر نہ آئے غم کی رات
(سائرہ حمید نشہ)

خاک میں مل کے بھی اس کو نہ دشمن سمجھا
گردشِ چرخ کو اک گردشِ دامن سمجھا
(حیدر علی آتش)

دین آدھا رہ گیا، ایمان آدھا رہ گیا
پھر تعجب کیا جو پاکستان آدھا رہ گیا
(انور مسعود)

تلاشِ منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اِک عجیب دیکھا
فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے صورتِ اعتبار بن کر
(ساغر صدیقی)

ہیں تیرے سوا سارے سہارے کم زور
سب اپنے لیے ہیں اور تو سب کے لیے
(الطاف حسین حالی)

علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
(علامہ اقبالؒ)

دنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت قریش کی ایک جماعت عیادت کو آئی۔ امیر معاویہؓ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: دنیا آہ دنیا اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کرچکے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم اپنی جوانی کے عالم میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے اور اس کے سبب مزے لوٹے، مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کرکے رکھ دی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں، پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے بے وفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ! یہ دنیا کتنی خراب جگہ ہے، یہ دنیا کیسا برا مقام ہے۔

(انسانیت موت کے دروازے پر، مولانا ابوالکلام آزاد، ص:149)

فیضی شاعر کا ایک واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں ایک مشہور شاعر گزرے ہیں جن کا تخلص "فیضی" تھا۔ ایک مرتبہ "فیضی" حجام سے خط بنوا رہے تھے اور داڑھی بھی صاف کرارہے تھے، اس وقت ایک بزرگ ان کے قریب سے گزرے اور فرمایا: ریش می تراشی؟ جناب! کیا آپ داڑھی منڈوارہے ہیں؟ کیوں کہ فیضی شاعر علم و فضل کے بھی مدّعی تھے، انھوں نے ہی قرآنِ کریم کی بغیر نقطوں کی تفسیر لکھی ہے۔ ان بزرگ کا کہنا یہ تھا کہ تم عالم ہو۔ تمہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت کے بارے میں علم ہے، پھر بھی تم یہ کام کررہے ہو؟ جواب میں فیضی نے کہا: بلے، ریش می تراشم، دل کسی نمی خراشم جی ہاں، میں داڑھی منڈوارہا ہوں، لیکن کسی کا دل نہیں توڑ رہا ہوں۔ کسی کی دل آزاری تو نہیں کررہا ہوں، گویا کہ فیضی نے طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ میں تو یہ ایک گناہ کررہا تھا، لیکن تم نے مجھے یہ کہہ کر میرا دل توڑ دیا، جواب میں ان بزرگ نے فرمایا: ولے، دل رسول الہ می خراشی کسی اور کا تو دل نہیں توڑ رہے ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ کا دل توتوڑ رہے ہو۔ اس لیے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو منع فرمایا کہ یہ کام مت کرو۔ اس کے باوجود تم کررہے ہو۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:9، ص:211)

حق پسند

عبیداللہ بن حسن عنبری دوسری صدی ہجری کے اکابرِ علما میں سے ہیں۔ وہ بصرہ کے قاضی بھی رہے، ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن مہدی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس کا جواب درست نہیں دیا، شاگرد نے کہا۔ حضرت! شاید آپ سے غلطی ہوگئی، صحیح جواب یہ ہونا چاہیے۔ بڑے علما اپنی غلطی کی اصلاح سے نہیں شرماتے اور وہ بڑے ہوتے بھی اسی لیے ہیں، بڑا ہونا یہ نہیں کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد بھی اسی پر ڈٹا رہا جائے، یہ بڑائی نہیں، ہٹ دھرمی کہلاتی ہے۔ عبید اللہ نے اپنے شاگرد کے صحیح جواب سننے کے بعد بہت ہی کارآمد جملہ ارشاد فرمایا: آپ چھوٹے ہیں، لیکن بات آپ ہی کی درست ہے۔ میں بھی آپ ہی کے جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں، اس لیے کہ باطل میں "سر" اور "رئیس" بننے سے مجھے حق میں "دُم" اور "تابع" بننا زیادہ محبوب ہے۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:51)

پہلے شہیدِ ختم نبوت

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے لوگ پکڑ کر لے گئے۔ مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیبؓ سے پوچھا کہ "کیا آپ محمد رسول اللہ ﷺ کو رب العزت کا رسول مانتے ہیں؟" جواب دیا: "ہاں مانتا ہوں!" مسیلمہ نے دوسرا سوال کیا کہ "کیا تم مجھے رسول مانتے ہو؟" جواب میں اس صحابیٔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اِنِّ فِیْ اُذُنَیَّ صَمَمًا عَنْ سَمَاعِ مَا تَقُوْلُ" میرے کان تیری اس بات (دعویٰ نبوت) کو سننے سے انکار کرتے ہیں۔

مسیلمہ نے اس صحابیٔ رسول ﷺ کا ایک بازو کاٹنے کا حکم دیا، جو کاٹ دیا گیا۔ مسیلمہ نے اپنا سوال دہرایا، مگر جواب وہی ملا، پھر دوسرا ہاتھ کاٹا گیا، مگر سوال دہرانے پر جواب حسب سابق تھا، حتیٰ کہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے جسمِ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے انھیں شہید کردیا گیا، مگر ختمِ نبوت کے اس سب سے پہلے شہید نے جنابِ رسالت مآب ﷺ کی رسالت کے بعد کسی اور کے لیے رسالت و نبوت کا جملہ سننے کے لیے اپنے کانوں کو آمادہ نہیں پایا۔

(مجاہدینِ ختم نبوت، حضرت مولانا اللہ وسایا، ص:31)

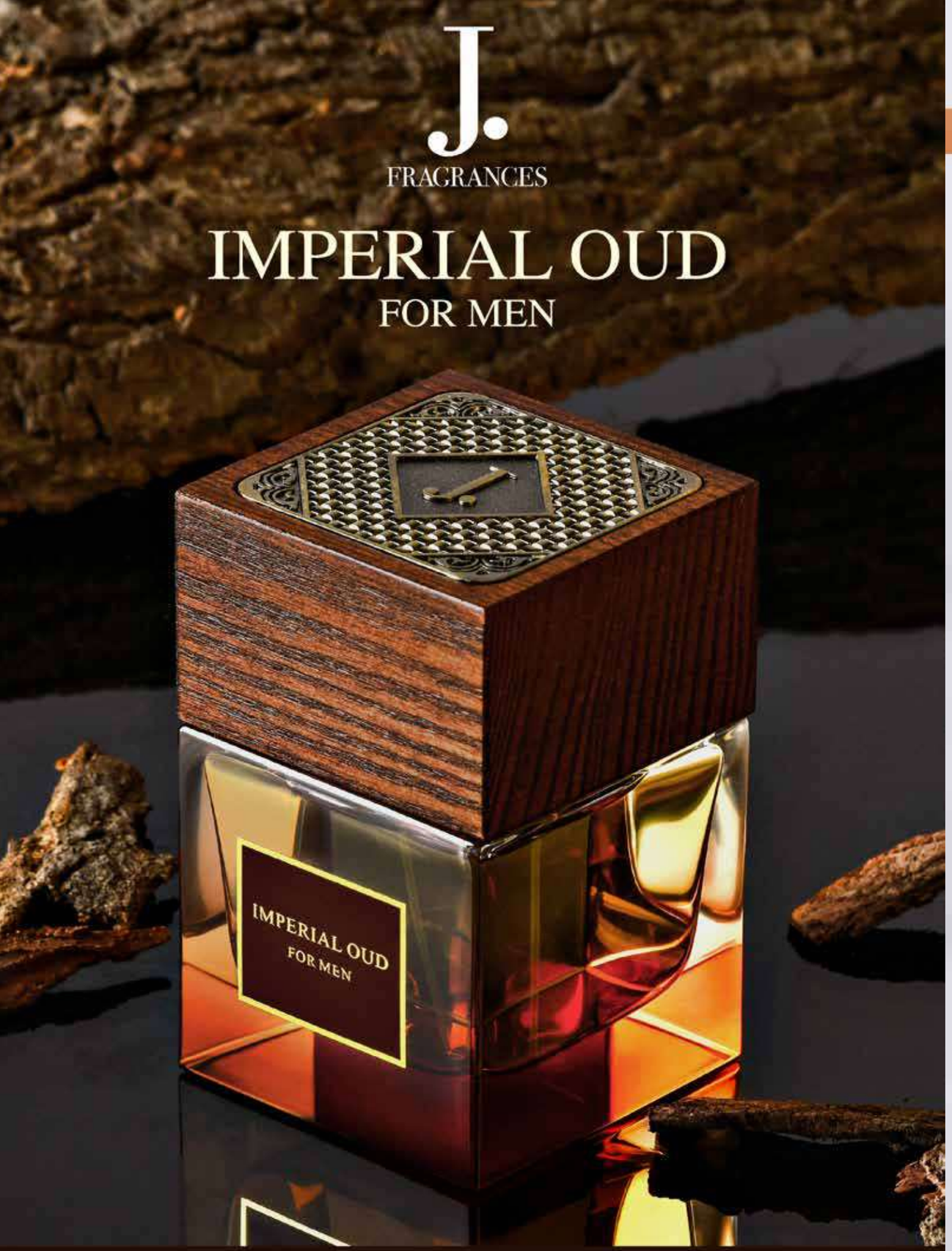

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام

فری آئی کیمپ

رپورٹ: محمد ذیشان

100 سے زیادہ کامیاب موتیا آپریشن، 1500 سے زیادہ مریضوں کے لیے دوائیں اور چشمے

تلہ گنگ (پ ر) بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام ملک کے پسماندہ علاقوں اور شہروں کی مضافاتی بستیوں میں فری میڈیکل اور آئی کیمپ لگتے رہتے ہیں جہاں ماہر، تجربہ کار سرجن، ڈاکٹر حضرات اور کوالیفائڈ میڈیکل اسٹاف مریضوں کا چیک اپ دیکھ بھال اور آپریشن کرتے ہیں نیز مریضوں کو تمام مطلوبہ دوائیں بلا قیمت دی جاتی ہیں، آئی کیمپ میں موتیا کے آپریشن کا انتظام ہوتا ہے۔ گزشتہ دنوں کراچی سے تشریف لائے جناب نعمان احمد نے تلہ گنگ کے مضافاتی علاقے میں بیت السلام فری آئی کیمپ کے انتظامات کیے۔ جہاں ماہر سرجن کوالیفائڈ تجربہ کار ڈاکٹر حضرات اور میڈیکل اسٹاف نے دور دراز دیہاتوں اور قصبوں سے بڑی تعداد میں آنے والوں مریضوں کے علاج کے لیے خدمات پیش کیں۔ اس موقع پر 1500 سے زیادہ مریضوں کی آنکھوں کا چیک اپ کیا گیا، انہیں دوائیں دی گئیں اور جن مریضوں کو چشمے تجویز کیے گئے، انہیں مفت چشمے فراہم کیے گئے۔ اس موقع پر موتیا کے 100 سے زیادہ مریضوں کا آپریشن کیا گیا۔ علاقے کے تمام ہی شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے حضرات نے بیت السلام کی خدمت خلق کی اس خدمت سمیت تمام کاوشوں کو سراہا۔

کراچی میں 17ویں کتب میلے میں بیت السلام اسٹال

رپورٹ: نبیل احمد شیخ

کراچی (پ ر) 8تا12 دسمبر 2022ء کراچی کے ایکسپو سینٹر میں لگنے والے ۱۷ویں کتب میلے میں حسب معمول بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ نے بھی اسٹال لگایا جہاں بیت السلام پبلی کیشن کے زیر انتظام شائع ہونے والے میگزین، بیت السلا کے سربراہ مولانا عبد الستار حفظہٗ اللہ کے اصلاحی مواعظ کے علاوہ دیگر قابل قدر جید علماء کرام کی کتب رکھی گئیں۔ اس موقع پر ہزاروں شہریوں نے بیت السلام اسٹال کا وزٹ کیا اور بیت السلام کی تعلیمی رفاہی خدمت کو خراج تحسین پیش کیا۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان

آؤ کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

BAITUSSALAM

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

ممبرشپ	Overseas donors
ماہانہ 1000 روپے	MONTHLY $ 10
سالانہ 12,000 روپے	YEARLY $ 120

ایک بڑا منصوبہ

ادائیگی کے 2 طریقے

1.

بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2.

تمام نئے ممبران کو 99911 سے ہر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کر دی گئی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

کارڈز: VISA PayPak

موبائل والیٹ: easypaisa, upaisa

بینک میں ڈائریکٹ ڈیبٹ کی سہولت دستیاب ہے

کسی بھی اے ٹی ایم جس میں 1LINK دستیاب ہو یا بینک / موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ / TCS سے ادائیگی کی جا سکتی ہے۔

اے ٹی ایم کے لیے

ATM مشین میں کارڈ اور پن نمبر ڈالنے کے بعد اس تسلسل سے آپشن پر کلک کریں
bill payment >1bill Voucher / Invoice Payments>
99911 سے موصول شدہ واؤچر نمبر کا اندراج کر کے ادائیگی مکمل کریں

کسی بھی 1LINK سے چلنے والے بینک یا TCS پر جائیں، نمائندے کو بتائیں کہ آپ بیت السلام کو 1LINK واؤچر کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتے ہیں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والا واؤچر فراہم کریں، کیش فراہم کریں اور رسید لیں

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کریں، بل کی ادائیگی پر جائیں 1LINK کا انتخاب کریں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والے واؤچر کو داخل کریں۔

Baitussalam USA بیت السلام

PayPal
PayPal.me/BaitussalamUSA

Zelle
donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے

- بیت السلام کے دفاتر
- بیت السلام موبائل ایپ
- بیت السلام ویب سائٹ
- 111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں
  مثلاً 111 TALHA